ناولٹ

اقرا صغیر احمد

آؤ نئے موسموں کی نوید سنیں

For more visit (exponovels.com)

Page 2

"گریہ! مجھے امید ہے کہ تم اسود کے دل سے یسری کی یاد اور محبت کے زخموں کو اپنی محبت، صبر اور خلوص سے مندمل کر کے صاف کر دو گی۔ یسری کی موت کا دکھ کسی پرانی چوٹ کی طرح شدید اور ناقابل برداشت محسوس ہوتا ہے۔ جیسے ہم بھی اس تکلیف کو بھلانے کے لیے اگر اس چوٹ کا درد جتنا شدید ہوتا ہے اس میں آرام بھی اتنی جلد آجاتا ہے اور پھر یاد بھی نہیں رہتا۔ تمہیں اس کی چوٹ کا مداوا بن جانا ہے۔" زرتاشہ آپی اسے قریب بٹھائے سمجھا رہی تھیں۔ وہ گردن جھکائے خاموشی سے سن رہی تھی۔

"کچھ پوچھنا چاہو تو پوچھ سکتی ہو۔" انہوں نے اچھی طرح دوپٹے اوڑھے سعادت مندی سے سر جھکائے بیٹھی اریبہ سے کہا۔ سرمئی شارٹ سلک کے سوٹ پر نازک سی کڑھائی تھی ہاتھوں میں سونے کے دو کڑے اور چار چوڑیاں تھیں۔ کانوں میں سونے کے ٹاپس اور گلے میں چھوٹا سا لاکٹ چمک رہا تھا۔ چہرہ بالکل سادہ تھا۔ سرمئی جارجٹ کے کٹ ورک دوپٹے سے اس نے سر کو اس طرح ڈھانپا ہوا تھا کہ اس کے سر جھکا کر بیٹھنے سے معمولی سا گھونگٹ سا نکل آیا تھا۔ وہ بے میک اپ چہرہ، خاموش لب اور الجھی آنکھوں سے قطعی دو دن پہلے کی دلہن نہیں لگ رہی تھی۔ ان کے اندر جیسے ضمیر چٹکیاں لینے لگا کہ انہوں نے کہیں اپنے خاندان کی شناخت و بقا کے لیے کوئی خود غرض فیصلہ تو نہیں کر لیا؟ کیا اسود اس لڑکی کو وہ مقام، وہ محبت بھی دے سکے گا؟ جو اس نے یسری کو دیا تھا؟ اور اس کی محبت کو آج دو سال گزر جانے کے باوجود بھی بالکل فراموش نہیں کر پایا تھا۔ وہ آج بھی جیسے اس کے ارد گرد ہمہ وقت موجود رہتی تھی۔

"آپ کب آئیں گی آپی؟" اس نے لمحے بھر کو سر اٹھا کر دھیمی مترنم آواز میں پوچھا۔

"میرا اب جلد آنا نہیں ہوگا۔ تم آنا میں انتظار کروں گی۔ میں نے اسود سے کہا تھا کہ وہ تمہیں لے کر آئے مگر اس نے بزی ہونے کا بہانہ کر دیا ہے لیکن تم بالکل اس کی پروا نہیں کرنا ضد کر کے گھر لے آنا۔ آؤ گی نا؟" وہ اس کے گال تھپتھپا کر استفسار کرنے لگیں۔ اس کے لبوں پر کرنوں کی طرح نمودار ہونے والی دھیمی مسکراہٹ میں جو بے چارگی و بے بسی تھی اس سے وہ بخوبی واقف تھیں۔

"اس طرح خاموشی سے کام نہیں چلے گا اریبہ! اسود تمہارا شوہر ہے۔ تم اس کی بیوی ہو۔ اس کی اور اس گھر کی مالک، اسے یسری کے مردہ وجود کے سحر سے آزاد کرو۔ اسے چیختے جاگتے وجود کا احساس دلاؤ۔ یسری خواب ہے اور تم حقیقت۔ سائے کا تعاقب ہمیشہ تاریکیوں میں بھٹکاتا ہے۔ تم اس کے لیے روشنیوں رنگوں کا سمندر بن جاؤ۔"

"جی۔۔۔ میں کوشش کروں گی آپی!" اس نے جبراً مسکراتے ہوئے کہا۔

"اب میں آؤں تو ان تصویروں کے بجائے تمہاری اور اسود کی تصویریں نظر آنا چاہئیں۔" دیواروں، ایک اور کارنر پر رکھی یسری اور اسود کی شادی ولیمہ اور ہنی مون کے دوران اتاری گئی تصاویر دیکھ کر سخت لہجے میں بولیں۔

"آپی! فلائٹ کا ٹائم ہونے والا ہے۔ آپ تیار ہیں؟" اسی دم اپنے روم سے نکل کر اسود ٹائم دیکھتا ہوا وہاں آکر نیہ سے مخاطب ہوا۔

"ہاں۔۔۔ میں تیار ہوں۔" وہ بلو جینز اور وائٹ شرٹ میں ملبوس چھوٹے بھائی کو پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولیں۔ اس کی از حد سنجیدہ صورت دیکھ کر انہیں دکھ کی شدید اذیت سے دوچار ہونا پڑا۔ دو سال قبل اس کی شوخیاں، شرارتیں اور کھلنڈرا پن پورے خاندان بھر میں مشہور تھا۔ اپنی شاندار پرسنالٹی و پرمزاح طبیعت کے باعث وہ محفلوں کی جان ہوا کرتا تھا۔ بے شمار لڑکیاں اس پر فریفتہ تھیں اور وہ یسری پر۔

"آپی! میں چائے لگوا رہی ہوں۔" اریبہ کی آواز نے انہیں خیالوں کی دنیا سے نکالا۔

"آپی! چائے ہم تاج محل سے پی لیں گے۔" اریبہ کی بجائے اس نے انہیں مخاطب کیا تھا۔

"نہیں۔۔۔ اریبہ نے خاصا اہتمام کیا ہے۔ چائے ہم گھر پہ ہی پی لیں گے۔" ان کے کہنے پر وہ کچن کی طرف بڑھ گئی تاکہ ملازمہ کی مدد سے ٹیبل پر چائے اور لوازمات رکھ سکے۔

"آپ اگر چند دن مزید رک جاتیں تو اچھا ہوتا۔" وہ ان کے مقابل بیٹھتا ہوا بولا۔

"بچوں کو اور طلعت کو پریشانی ہو رہی ہے۔ گھر میں ملازموں کی فوج بھی ہو گی تو وہ کام نہیں کر سکتے جو عورت گھر کی مالکن کی نگرانی سے ہوتا ہے۔ اب تم اپنے گھر کو ہی دیکھ لو۔ دو سال کے عرصے میں ملازموں نے گھر کا بیڑہ غرق کر کے رکھ دیا تھا۔ دو ہفتوں میں ہی گھر گھر لگنے لگا ہے۔ عورت کی کمی عورت ہی مکمل کر سکتی ہے اسود! اب تم بھی حقیقت کی دنیا میں لوٹ آؤ اور اس حقیقت کو تسلیم کرو کہ یسری خواب بن گئی ہے اور خوابوں۔۔۔"

"آپی! پلیز۔۔۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔ وہ زندہ ہے اور زندہ رہے گی جب تک میری زندگی ہے وہ بھی میری سانسوں میں دل بن کر دھڑکتی رہے گی۔"

"اسود! جذباتی مت ہو میرے بھائی! میں تمہاری دشمن نہیں ہوں۔ یسری کو بھول جاؤ۔"

"جو مجھے یسری کو بھول جانے کا مشورہ دے وہ کبھی میرا خیر خواہ نہیں ہو سکتا۔"

"اریبہ کا کیا ہو گا؟ اسے کیوں ناکردہ گناہوں کی سزا دے رہے ہو؟"

"وہ آپ کی خواہش ہے۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولا۔

"اس طرح زندگی نہیں گزرتی اسود، تم اس خاندان کے اکلوتے فرزند ہو۔ اور ہمیں اپنے خاندان کا نام اس کی شناخت گم ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔ مجھے تمہارے بچوں کی شدید آرزو ہے۔"

"ایسا کبھی نہیں ہو گا آپی! مجھے بچوں سے نفرت ہے۔ یسری کو مجھ سے جدا کرنے والا بچہ ہی تھا۔ مجھے نفرت ہے شدید نفرت۔ سوری آپی! آئندہ آپ کبھی ایسی خواہش ظاہر نہیں کیجئے گا۔" اس کے اندر جیسے یک دم اضطراب کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ وہ مضطرب سا کھڑا ہو گیا تھا۔ چہرہ دھواں دھواں تھا۔ کرب میں ڈوبی نگاہیں سامنے یسری کے فوٹو پر جمی ہوئی تھیں۔

"اچھا۔۔۔ مجھے ایئرپورٹ چھوڑ کر اریبہ کو کہیں پکنک اسپاٹ میں لے جانا۔ تم ایک بار بھی اسے کہیں لے کر نہیں گئے ہو۔" وہ موضوع بدلتے ہوئے رسانیت سے بولیں۔

"میرے پاس ابھی وقت نہیں ہے۔ ایئرپورٹ وہ نہیں جائے گی مجھے یاور کی طرف جانا ہے۔"

انہوں نے اسے سرزنش کرنی چاہی مگر اس کا سپاٹ اور بے تاثر چہرہ دیکھ کر خاموش ہو گئیں۔ اسی دم اریبہ نے آکر چائے لگنے کی اطلاع دی۔

♣ — * — ♣

"سنو! تم اپنے گھر چلی جاؤ۔" ایئرپورٹ سے واپسی پر وہ سیدھا گھر آیا تھا۔

"جی۔۔۔ اس وقت؟" بیڈ کور بدلتے اس کے ہاتھ رک گئے۔

"کیا ہوا اس وقت۔۔۔؟ صرف گیارہ تو بجے ہیں۔" اس کے بھاری لہجے میں ناگواری و بے زاری چھلک پڑ رہی تھی۔ اس کی پشت اریبہ کی سمت تھی اور نگاہیں بیڈ کارنر پر رکھی یسری کی تصویر پر تھی جس کے مسکراتے چہرے پر زندگی سے بھرپور چمک و تازگی تھی۔

"جی بہتر، کب آؤں؟" اس نے جھجکتے ہوئے استفسار کیا کہ گھر میں اماں پہلا سوال یہی کریں گی۔ دوسرے اس کی بے وقت آمد انہیں چونکا دے گی۔

"کبھی نہ۔۔۔ میں ڈرائیور بھیج دوں گا۔" اس نے سرعت سے زبان سنبھالی تھی ورنہ تو یہی چاہ رہا تھا کہ کہہ دے کبھی نہیں آنا۔ تم یہاں جب سے آئی ہو میں بے سکون ہو گیا ہوں۔ اس گھر میں صرف یسری کو دیکھنے کا عادی ہوں۔ اسے بچھڑے ایک عرصہ ہوا مگر میں ابھی بھی اس کی ہنسی کی جھنکاریں، اس کے لہجے کی کھنک، اس کے قہقہوں کا ترنم، اس کی مسکراہٹوں کی بجلیاں، اس کی شوخیاں، اس کی باتیں، اس کی سرگوشیاں

For more visit (exponovels.com)

آج بھی مجھے ایسے ہی محسوس ہوتی ہیں جیسے وہ کبھی مجھ سے جدا ہوئی ہی نہیں۔ لیکن تمہاری موجودگی میں لگتا ہے بیزاری جیسے خفا ہو رہی ہے۔ وہ مجھ سے دور ہو رہی ہے۔ میں ایسا ہرگز ہونے نہیں دوں گا۔ یہ گھر بیزاری کا تھا اس کا ہے اور اسی کا رہے گا۔"

"میں جا رہی ہوں۔" دس منٹ بعد وہ ہاتھ میں بیگ تھامے کھڑی تھی۔

"مجھے بتانے کی کیا ضرورت ہے جاؤ۔" وہ جلد از جلد اس سے چھٹکارا پانا چاہ رہا تھا اور یہاں ایسی کوئی پابندیاں نہیں تھیں کہ آنے جانے کی اطلاع دی جائے۔

"ٹھہرو۔ یہ روپے رکھ لو۔ اگر اور چاہئیں تو بتانا۔" اس نے والٹ سے لال نوٹ کی گڈی نکال کر بیڈ پر پھینکتے ہوئے کہا۔ اسے خیال آیا کہ شاید وہ اس لیے رکی ہے۔

"پیسے میرے پاس ہیں۔ میں آپ کو اطلاع دینے آئی تھی۔" اس کے اندر زبردست چھناکا ہوا تھا۔ اسود کا انداز اہانت آمیز تھا۔ اتنی حقارت و تضحیک سے بھکاری کے کشکول میں بھی بھیک نہیں ڈالتے جس طرح روپے اس نے اس کی طرف بڑھانے کے بجائے بیڈ پر پھینکے تھے۔ اس کے چہرے سے اکتاہٹ و جھنجلاہٹ کا اظہار ہو رہا تھا اور اس کا یہ انداز وہ شادی کی شب سے دیکھ رہی تھی۔ وہ بوجھل قدموں سے کمرے سے باہر آئی۔ اس کے باہر نکلتے ہی دروازہ پوری قوت سے اندر سے لاک کیا گیا تھا جیسے اس کے دوبارہ آجانے کا احتمال ہو۔ اس نے کرب سے آنکھیں بھینچ لی تھیں۔ اسے محسوس ہوا دیواروں پر بیزاری کی آویزاں تصویروں نے قہقہے لگائے ہوں۔

◆ —— ✱ —— ◆

"اریبہ! اس وقت بیٹی؟" دروازہ کھولنے والی اماں اسے اس وقت دیکھ کر دہل گئی تھیں۔ "خیریت تو ہے نا؟ بے وقت کیوں آگئی ہو؟" پریشانی کے باعث وہ اسے راستہ دینا ہی بھول گئی تھیں۔ فکرمندی سے اسے اور اس کے ہاتھ میں موجود بیگ کو دیکھ رہی تھیں۔

"اماں! شادی کے بعد بیٹی وقت بے وقت گھر آنے کا اختیار کھو بیٹھتی ہے؟ کیا میں اب دن کے اجالے میں اس گھر میں داخل ہو سکتی ہوں رات کی تاریکی میں نہیں؟" اس کا لہجہ مسکراتا ہوا تھا لیکن لہجے کی کرچیاں اس کی مسکراہٹ کو زخمی کی ہوئی تھیں۔

"ایک بار نہیں ہزار بار آؤ بیٹی اللہ تمہارا سہاگ سلامت رکھے۔" اس کی مسکراہٹ سے ان کے اندیشے رفع ہوئے تھے۔ انہوں نے جھٹ اسے سینے سے لگایا۔ گھر کے افراد سب صحن میں جمع ہو گئے تھے۔ اماں کی طرح سب اسے دیکھ کر حیران بھی ہوئے اور خوش بھی۔

"اماں نے پولیس کی طرح دروازے پر ہی تفتیش شروع کر دی۔" وہ کمرے میں فرش پر بچھی چاندنی پر بیٹھتے ہوئے ہنس کر بتانے لگی۔

"میں ڈر گئی بیٹی! بارہ بجے کوئی آنے کا وقت ہے۔" اماں کے انداز میں سادگی و محبت تھی۔

"بارہ بجے، پہلے ان کے پیر دیکھ لیجئے اماں! کہیں ایسا نہ ہو بجو کے روپ میں یہ ہمارا خون کا ذائقہ چکھنے آئی ہوں۔" شاہ زیب جو میڈیکل کے فرسٹ ایئر میں تھا خوف زدہ ہونے کی اداکاری کرتے ہوئے بولا تو وہ سب ہی ہنس پڑے۔ اماں نے ایک تھپڑ لگایا تھا۔

"اماں! بجو بڑی آدمی بن گئی ہیں۔ وقت کی فکر میں ہم لوگ رہتے ہیں۔ بجو جیسے لوگ وقت کو اپنی قید میں رکھتے ہیں۔" چوتھے نمبر کی ربیعہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اچھا۔ تمہیں بھی بولنا آگیا۔" اریبہ بہن کو پیار سے دیکھتے ہوئے گویا ہوئی۔

"جی ہاں۔ اسے کہتے ہیں مینڈکی کو زکام ہونا۔" شاہ زیب نے اسے چڑایا۔

"بجو! کھانا لگاؤں؟" تیسرے نمبر کی فروا نے پوچھا۔

"نہیں۔ کھانا کھا کر آئی ہوں۔ پانی پلا دو۔" وہ گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کر بولی۔

"میری بیٹی آئی ہے۔ جب ہی کہوں گھر اتنا روشن

کیوں ہو رہا ہے۔" بابا ٹیک لگاتے ہوئے اندر آئے اور محبت بھرے لہجے میں بولے۔ اس نے اٹھ کر انہیں سلام کیا تو اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر انہوں نے ڈھیروں دعائیں دے ڈالیں۔

"بابا! تمام لائٹس آن ہیں گھر تو روشن ہو گا ہی۔ اور جب بل آئے گا تو اماں کی غصے سے چیخ چلاتی آواز سے بارونق بھی ہو جائے گا۔" شاہ زیب کہاں چپ رہنے والا تھا۔

"شاہ زیب نہ معلوم کس پر پڑا ہے۔ خاموش رہنا جانتا ہی نہیں۔ بیٹیاں تو گھر کی رونق ہوتی ہیں، روشنی ہوتی ہیں۔ بیٹیوں کے دم سے ہی تو بہاروں کے بسیرے ہوتے ہیں۔"

"پھر اماں! ان رونقوں کو، ان روشنیوں کو، ان بہاروں کو کیوں اپنے ہاتھ سے خزاں برد کر دیتے ہیں۔ کیوں ان کے نصیبوں میں تاریکیاں بکھیر دیتے ہیں۔ کیوں آپ نے بجو کو اس شخص سے منسوب کیا جو پہلے سے شادی شدہ تھا۔ بجو بد صورت تھیں؟ یا ان کی عمر نکل گئی تھی؟" اسے شروع سے اسود حماد کے پروپوزل پر اعتراض تھا۔ کم عمر لاابالی ہونے کے باعث کسی نے اس کے اعتراض کو اہمیت نہ دی تھی۔ اسود کے شادی شدہ ہونے پر کسی کو اعتراض نہ تھا کہ اس کی بیوی دو سال قبل ڈلیوری کیس میں مر گئی تھی اور بچہ بھی نہیں بچا تھا۔ اسود حماد اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ صرف دو بہن بھائی تھے۔ ماں باپ کا بہت عرصہ قبل انتقال ہو گیا تھا۔ بڑی بہن ضیا اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ دبئی میں سکونت پذیر تھی۔ اسود ینگ تھا، خوبرو اسمارٹ تھا۔ بہت بڑا بزنس مین تھا۔ ان خوبیوں کی بنا پر اس کی شادی شدہ ہونے کی خامی غائب ہو گئی تھی۔

"میں کہتی ہوں اپنی عمر سے بڑی بات نہیں کرے۔ چل جا کر سو، صبح کالج جانے کے لیے اٹھنا نہیں۔" ماحول ایک دم خاموش ہو گیا تھا۔ بابا نیند کے اٹھ کر آئے تھے۔ اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر چلے گئے تھے۔ شاہ زیب اٹھ کر چلا گیا۔ وہ سب ایک دوسرے سے نگاہیں چرا رہے تھے۔ وہ بالکل ہی گم صم ہو گئی تھی۔ کھلنڈرے لاابالی بھائی کا احساس و محبت بھرا جو پہلی دفعہ نگاہ سے گزرا تھا کیا جیسے کھل کھلا جانے بے وقعت و حقیر گردانے جانے کے اپنے کرب کے رنگ موجود ہیں کہ مجھ سے چھ سال چھوٹے بھائی نے فوراً محسوس کر لیے۔" وہ انتہائی نازک سوچوں کے گرداب میں چکرانے لگی۔

صبح اماں کرارے کرارے تہہ دار پراٹھے پکا رہی تھیں۔ جس کے ساتھ ہری مرچ والے انڈے فرائی تھے۔ وہ رات کو دیر سے سوئی تھی۔ انڈے پراٹھے اور تازہ دم ہوتی چائے کی سوندھی سوندھی فرحت انگیز خوشبوؤں نے اسے بے دار کر دیا تھا۔ اس نے غنودگی سے بوجھل آنکھیں کھول کر وقت دیکھا تو نو بج رہے تھے۔ وہ چادر خود سے ہٹاتی ہوئی تیزی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس گھر کے اصولوں کے لحاظ سے صبح گزر چکی تھی۔ کیوں کہ یہاں صبح اندھیرے ہی سب جاگنے کے عادی تھے۔

"جاگ گئیں بیٹی! چلو ناشتہ کر لو۔" اماں اسے دیکھتے ہی مسکرا کر بولیں۔

"اماں! مجھے اٹھایا نہیں، فجر کی نماز بھی قضا ہو گئی۔"

"دماغ بہت خراب ہو گیا ہے، ذہن سے غلطی نکل گیا بیٹی اللہ معاف کرے۔"

"بابا چلے گئے اسکول؟" وہ ان کے قریب پیڑھا گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

"ارے یہاں کہاں بیٹھ رہی ہو؟ اندر جا کر بیٹھو فروا ناشتہ لے کر آرہی ہے۔" اماں نے اسے اس طرح بیٹھتے دیکھ کر تیزی سے بولیں جیسے وہ کوئی بہت معتبر و اعلیٰ ہستی ہو۔

"اماں! آپ اس طرح نہیں کیا کریں مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ میں وہی ہوں اماں۔"

"نہیں بیٹا! تم اب ایک بڑے آدمی کی بیوی ہو۔ خود کو اس کے ماحول میں ڈھالو۔" ان کے لہجے میں طنز نہیں ستائش و مسرت پنہاں تھی۔

"بہرحال اماں! میرا رتبہ، میرا منصب آپ کے

For more visit (exponovels.com)

Page 4

برابر ہرگز نہیں آسکتا۔ اور جب میں اس گھر میں نظر آیا کروں تو مجھے صرف اور صرف اپنی بچی سمجھا کریں۔ کیوں کہ میرا باپ میرے شوہر سے بھی بڑا تونگر ہے۔" اس نے عقیدت مند لہجے میں کہا۔

"کوہو۔ آج سورج کس سمت سے نکلا ہے؟ جو نواب بہادر شاہ زیب صاحب بغیر ہمارا گلا خراب کیے اٹھ گئے ہیں۔" فروا وہاں آکے شاہ زیب کو دیکھ کر حیرانگی کا اظہار کرنے لگی جو نہ صرف اٹھ چکا تھا بلکہ کالج جانے کے لیے تیار بھی تھا۔

"سورج تو درست سمت سے نکلا ہے مائی ڈیئر سسٹر! دراصل جب فضا میں اتنی اچھی اشتہا انگیز خوشبو میں گردش کررہی ہوں تو پھر کس بدبخت کو نیند آسکتی ہے؟" وہ اریبہ کے قریب بیٹھتے ہوئے بولا۔ ناشتہ ان چاروں نے ساتھ کیا۔

"وقار حسین صاحب مقامی اسکول میں ٹیچر تھے وہ فجر کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد ناشتہ کرکے سات بجے سے قبل گھر سے اسکول جانے کے لیے نکل جاتے تھے۔ ان کے بعد ربیقہ جو میٹرک کی طالبہ تھی اور اس سے چھوٹی رمشاہ اور رامیہ جو بالترتیب آٹھویں اور نویں میں زیر تعلیم تھیں وہ اسکول کے لیے روانہ ہو جاتیں۔ شاہ زیب آرام سے کالج جاتا تھا۔ سویرا پچھلے سال تعلیم سے فارغ ہوئی تھی اور آج کل انڈسٹریل ہوم جوائن کر رکھا تھا اس نے۔ فروا سے ایک سال بڑی اور اریبہ سے ایک سال چھوٹی سویرا ان دنوں اپنے شوہر کے ساتھ ہنی مون ٹور پر شمالی علاقوں کی جانب گئی ہوئی تھی۔ اریبہ اور سویرا کی شادیاں ساتھ ہوئی تھیں۔

ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد فروا برتن دھونے بیٹھ گئی۔ صفائی وہ پہلے ہی کرچکی تھی۔ وہ اماں کے ساتھ صحن میں بچھے تخت پر بیٹھ گئی۔ اماں حسب عادت پان دان کھولے پان لگانے لگیں۔ شاہ زیب کالج جاچکا تھا۔ فروا باورچی خانے میں برتن دھونے کے ساتھ ساتھ باتیں بھی کرتی جارہی تھی۔ گھر میں سکون اور بے فکری کا حسین ماحول تھا۔

"ارے اریبہ بنی آگئی ہے؟" خالہ حاجرہ کی چہکتی آواز پر وہ سنبھل کر بیٹھ گئی۔ فروا جو باتھ کے برتن دھوکر فارغ ہوکر اس کے پاس بیٹھی تھی فوراً بولی۔ "بجو! خالہ کو رات نیند بھی نہ آئی ہوگی فکر کے باعث۔"

"کیوں؟" وہ مسکرا کر بولی۔

"آپ ان کی عادت جانتی نہیں ہو۔ خیر ابھی معلوم ہو جائے گا۔"

"السلام علیکم خالہ!" اریبہ نے سلام کیا تو انہوں دعائیں دیتے ہوئے اس کے قریب ڈیرا جمالیا۔

"میں کہوں اتنی رات کو بٹیا کیوں آگئی؟ خیریت تو ہے نا؟ اسود میاں کیوں نہیں آئے۔ میرا ماتھا ٹھنکا تھا۔ ڈرائیور جب کار لے کر جارہا تھا۔" ان کا پر تجسس و پر اشتیاق لہجہ الٹراوائلٹ کی مانند نگاہیں اسے لگا جیسے وہ اس کے اندر تک کا بھید پالیں گی۔ اس نے گھبرا کر نگاہیں جھکالیں۔

"اسود کل کاروبار کے سلسلے میں شہر سے باہر گئے ہیں میں گھر میں تنہا کیسے رہتی، اس لیے اماں کے ہاں چلی آئی۔" اسے خود پر حیرت تھی کہ محض دو ہفتوں میں وہ جھوٹ کتنی مہارت سے بولنے لگی تھی۔ شاید مصلحت نبھاؤ اور عزت کی پاس داری کا تقاضہ یہی تھا۔

"ہو۔ تو ساتھ تمہیں لے کر نہیں گیا؟ کیسا آدمی ہے؟ اس دور میں تو سب میاں بیوی شادیوں کی خوشیاں منانے جاتے ہیں۔ اب اپنی سویرا ہی کو دیکھ لو۔ اس کا میاں بے شک تمہارے میاں سے کم دولت والا ہے۔ اس کی طرح خوب صورت بھی نہیں ہے مگر دل والا ہے۔ محبت کرنا جانتا ہے لے گیا اسے ساتھ گھمانے پھرانے۔ ہاں بھئی یہ بھی نصیب نصیب کی بات ہوتی ہے۔" انہوں نے ایک طویل ٹھنڈی سانس بھری۔

"آپا! وہ کاروبار کے سلسلے میں گیا ہے۔ اب اریبہ کو ساتھ لے جاکر کیا کرتا۔ پھر لے جائے گا۔ عمر پڑی ہے گھومنے پھرنے کے لیے۔ پہلے اپنا روزگار دیکھے گا۔" اماں نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"ارے چھوٹی بی! پہلے عقل کہا تھا۔ مت دو بیٹی کو اپنی کونپل جیسی بچی۔ لیکن تمہیں اس کی دولت نظر آرہی تھی۔ پھول سی بچی کو آگ میں جھونک دیا۔ دیکھو تو کل بن روانہ ہوئی اس نے اسے بھی روانہ کیا اور خود بھی روانہ ہوگیا۔ شادی کے شروع کے دنوں میں کوئی کہاں اس طرح بے پرواہ بے فکر ہوتا ہے؟ ابھی مشکل سے دو یا تین مرتبہ آئی ہے اور اریبہ بی تو ہر تیسرے دن دیکھو تو۔ برا ماننے کی بات نہیں بیٹیاں اتنی جلدی جلدی میکے آتی ہوئی اچھی نہیں لگتیں۔ پھر اسود کو میں نے ایک دفعہ بھی نہیں دیکھا۔"

"نہ خود ہی بھیج رہی تھی اریبہ کو کہ اس کے جانے کے بعد اریبہ کو ٹائم نہیں ملے گا یہاں رہنے کے لیے کہ گھر تنہا چھوڑ کر نہیں آسکتی تھی۔" اماں نے کہا۔

"تم کچھ بھی کہو مجھے اریبہ بٹیا پر ترس آتا ہے۔ بٹیا! تمام زیور، روپیہ اور کپڑا اپنے پاس رکھو۔ یہ امیر لوگ بڑے سرپھرے ہوتے ہیں۔ نہ معلوم کب دھکا دے دیں۔" وہ چاپلوسانہ انداز میں اس سے گویا ہوئیں جو ایک دم زرد ہورہی تھی۔

"حاجرہ آپا! پیسہ، زیور، کپڑا زندگی کوئی ان چیزوں کے بغیر ادھوری نہیں رہتی سب یہیں رکھا رہ جاتا ہے۔ میں نے اپنی بیٹیوں کی اس طرح کی تربیت کی ہے جس گھر میں ان کی ڈولی اتری ہے اس گھر سے ان کا جنازہ ہی اٹھ سکتا ہے۔ تیسری کوئی راہ نہیں دکھائی میں نے اپنی بیٹیوں کو۔" اماں کو ان کا انداز قطعی پسند نہیں آیا تھا۔ حاجرہ کا تعلق ان عورتوں کے طبقے سے تھا جو دوسروں کے بھید پانے کی جستجو میں لگی رہتی ہیں تاکہ گھر کے معاملات باہر اچھالے جائیں۔ ایک دوسرے کو لڑوا کر، جدا کروا کر ایسی عورتوں کی من کی مراد بر آتی ہیں۔ عجیب فسادی و شرپسند طبیعت تھی ان کی۔

"تم تو برا مان گئیں۔ میرا یہ مقصد نہیں تھا۔" وہ کھسیا کر بولیں۔

"بجو! دوپہر کو کھانے میں کیا پکاؤں؟" فروا اٹھتے ہوئے استفسار کرنے لگی۔

"دال چاول۔ چلو دونوں مل کر پکاتے ہیں۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر وہاں سے لے گئی۔ خالہ کی باتوں نے اسے ڈسٹرب کردیا تھا۔

♣ — ✳ — ♣

"صاحب جی! لیلیٰ بی بی کا فون ہے۔" وہ آنکھیں موندے راکنگ چیئر پر نیم دراز تھا۔ ملازمہ کی آواز سن کر اس نے لمحے بھر کو آنکھیں کھول کر کارڈلیس فون تھام لیا تھا۔ ملازمہ دروازہ بند کرتی ہوئی چلی گئی تھی۔

"ہیلو آپی!" اس کی بھاری و سنجیدہ آواز گونجی۔

"حد ہو گئی اسود! دو ماہ ہوگئے تم نے کال کرنے کی زحمت ہی نہیں کی کہ بہن خیر خیریت معلوم کرلیں۔ بہن زندہ ہے یا مرگئی۔" ان کی شاکی آواز ابھری۔

"کیسی باتیں کررہی ہیں آپ آپی! اللہ آپ کو سلامت رکھے۔ آپ کے علاوہ میرا ہے کون۔" اس کے لہجے میں ان کے لیے پیار اور محبت تھی۔

"اریبہ سے بات کراؤ کیسی ہے وہ؟ تمہیں بہن کے پاس آنے کی کال کرنے کی فرصت نہیں ہے تو اریبہ سے تو کہہ سکتے ہو کہ کال کرکے خیریت جانے اور معلوم کرے۔"

"بھائی جان کیسے ہیں؟ بچے ایگزامز سے فارغ ہوجائیں تو آپ سب کو لے کر آجائیں۔" اس نے جلدی سے بات گھمائی تھی۔

"طلعت ٹھیک ہیں۔ بچوں کے ایگزامز میں وقت ہے ابھی۔ اب تم اریبہ کو لے کر آنا میں نہیں آؤں گی اب۔ اسے بلاؤ تو میں بات کروں گی۔"

"وہ آپی! وہ گھر میں نہیں ہے۔"

"کہاں گئی ہے؟"

"امی کے ہاں۔"

"کب گئی تھی؟ کب آئے گی؟"

"جس دن آپ کو ائیرپورٹ چھوڑ کر آیا تھا۔ گھر آکر میں نے اسے ڈرائیور کے ساتھ بھیج دیا تھا۔" وہ

For more visit (exponovels.com)

آہستگی سے بول رہا تھا۔ بمن کے غصے کا احساس تھا اسے۔

"رات کو بھیجا تم نے اسود! تمہیں معلوم ہے وہ مڈل کلاس سے تعلق رکھتی ہے۔ ایسے گھرانوں میں لڑکیوں کا یوں سسرال سے آنا کتنا معیوب سمجھا جاتا ہے اور تم نے جب سے اسے بلوایا بھی نہیں؟ اور نہ ہی تم نے اس کی خبر لی ہوگی؟"

"نہیں۔ آپی! آپ کو معلوم ہے یہ گھر یسریٰ نے کتنی محبت اور شوق سے بنوایا تھا۔ اس گھر میں میں کسی دوسری لڑکی کا وجود برداشت نہیں کرسکتا۔ وہ جب یہاں ہوتی ہے تو مجھے لگتا ہے جیسے میرے اور یسریٰ کے درمیان حائل ہوگئی ہو۔ ہم دونوں کے درمیان دیوار سی آجاتی ہے۔ آپ کو معلوم ہے نا یسریٰ اپنی چیزوں کے معاملے میں کتنی انتہا پسند تھی۔ وہ میرے اور اپنے درمیان آپ کی موجودگی بھی برداشت نہیں کرتی تھی۔ اسے اس گھر سے یہاں کی ہر چیز سے محبت اور پیار تھا۔ اس نے اپنی ملکیت میں کبھی کسی کی شراکت برداشت نہیں کی۔ اب بھی اریبہ کی اس گھر میں موجودگی اسے تکلیف پہنچاتی ہے۔ وہ مجھ سے خفا رہتی ہے۔"

"بے وقوفی کی باتیں مت کرو اسود۔ اس کو اپنے ذہن سے نکال پھینکو۔ یہ سب تمہارا وہم ہے اور کچھ نہیں۔ مرنے والے کا کوئی رابطہ زندوں سے نہیں رہتا۔ یسریٰ کو بھول کر اب اریبہ کو دیکھو، وہ اچھی لڑکی ہے۔ اور جاکر اسے ابھی خود لے کر آؤ۔ کیوں تماشہ بنا رہے ہو اس لڑکی کا۔ نہ معلوم کیسی کیسی باتیں بنا رہے ہوں گے وہاں کے لوگ۔ نئی نویلی دلہن کا یوں دو ماہ میکے رک جانا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ تم نے تو حد کردی اسود۔" ان کے لہجے میں دکھ و اضطراب نمایاں تھا۔ جسے محسوس کرکے وہ لمحے بھر کو شرمندہ ہوگیا تھا۔

"اسے ابھی لے کر آؤ فوراً" ورنہ میرا بی پی شوٹ کرجائے گا۔"

"آپی! کیا وہ وہاں پر بوجھ ہے؟" اس کے لہجے میں ناگواری تھی۔

"ہاں۔ بیٹیاں بوجھ ہوتی ہیں۔ کنواری ہوں تو برداشت ہوتی ہیں۔ اگر شادی شدہ بیٹی اس طرح بلاجواز میکے آکر بیٹھ جائے اور سسرال والے خبر بھی نہ لیں تو وہ ناقابل برداشت بوجھ ہوتی ہیں۔ لوگ 'عزیز رشتے' پڑوسی 'لڑکی کا ہی نہیں گھر والوں کا بھی جینا دوبھر کر ڈالتے ہیں۔ ہمدردی و اپنائیت کے پیرائے میں ایسی ایسی باتیں کرتے ہیں کلیجے چھلنی ہوجاتے ہیں۔"

"میں اسے وہاں پابندی سے رقم بھیجتا رہوں گا لیکن یہاں نہیں لاؤں گا آپی!"

"اسود! تم میرا کہنا نہیں مانو گے؟" ان کے دھیمے لہجے میں اعتماد و یقین کی کرچیاں تھیں۔

"لوٹ کے آجائے گی وہ آج۔" بمن کی محبت سے جیسے وہ شکست کھا کر بولا۔

♣ —— * —— ♣

بلو اینڈ گولڈن بنارسی ساڑی میں ملبوس، لائٹ میک اپ اور کندن کے سیٹ میں بالوں کی لمبی چوٹی پشت پر ڈالے۔ وہ خاصی پرکشش و خوب صورت لگ رہی تھی۔ ڈرائیور کو تنہا آتے دیکھ کر لمحے بھر کو ان کے چہروں کے رنگ متغیر ہوئے تھے لیکن شاید پھر انہیں فوراً" یہ احساس ہوگیا تھا کہ ان کا داماد ان کی حیثیت سے بلند معیار رکھتا ہے۔ اس نے ڈرائیور کو بھیج دیا تھا یہ ہی بڑی بات تھی۔ اب کم از کم انہیں لوگوں کو مطمئن کرنا آسان ہوجائے گا کہ دو ماہ اریبہ کی یہاں موجودگی نے انہیں پریشان اتنا نہیں کیا تھا۔ جتنا لوگوں کے سوالات نے پریشان کرڈالا تھا۔ وہ بھی کسی معمول کی طرح اٹھ کر چلی آئی تھی۔ فروا نے زبردستی میک اپ کرڈالا تھا۔

شام سے اب رات ہوگئی تھی۔ ملازمین اس سے چھٹی لے کر اپنے کوارٹروں میں جاچکے تھے۔ اسود کا کوئی پتا نہیں تھا کہ وہ کہاں گیا ہے؟ کب آئے گا؟ اس محل نما گھر میں وہ تنہا تھی اور ہر جگہ موجود یسریٰ کی تصاویر سے اسے خوف محسوس ہونے لگا تھا۔ وہ بے حسین تھی اور اسود کے ساتھ ہنستی مسکراتی وہ از حد حسین لگ رہی تھی۔ اسود بھی اس کی ہمراہی میں بہت

مطمئن نظر آرہا تھا۔ اس کی نگاہوں میں یسریٰ کے لیے شدید محبت و جنون خیز جذبوں کی تپش بری طرح عیاں تھی۔ اس نے اعتراف کیا تھا بلاشبہ ان کی جوڑی بہت خوب صورت اور لاجواب تھی۔ اسود اس کی سنگت میں کتنا آسودہ و مطمئن نظر آرہا تھا۔

"کیا وہ کبھی اس کے چہرے پر آسودگی اور طمانیت دیکھ سکے گی؟ یسریٰ کو بہاریں ملی تھیں۔ اسے خزاں کے ویران واجاڑ موسم نے جکڑ کر رکھا تھا۔ کیا بہاریں یوں ہی روٹھی رہیں گی؟" اس نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کرلیں۔ سوچوں کی یلغار تھی جو اس پر حملہ آور تھی۔ رات بھیگتی جارہی تھی اسود ابھی تک نہیں آیا تھا۔ اندر اسے یسریٰ کی بولتی، مسکراتی گنگناتی تصویروں سے خوف ہورہا تھا۔ جیسے وہ کسی لمحہ وارد ہوکر اس کی گردن دبا ڈالے گی۔

رات کو نہ معلوم کس پہر وہ آیا تھا اریبہ نیند کی وادیوں میں گم ہوگئی تھی۔ وہ اندر آکر اسے صوفے پر نیم دراز سوتے دیکھ کر چونکا تھا۔ اس کی نگاہیں اس کے چہرے کے بجائے ساڑی پر تھیں۔ اس کی آنکھوں میں سرخی مچلنے لگی۔ یک دم اسے اس نے آگے بڑھ کر جھنجوڑ کر رکھ دیا۔

"یہ ساڑی کہاں سے لی تم نے؟" اس کے جھنجوڑنے پر اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو وہ غرایا۔

"سا۔ ساڑی، آپی نے دی تھی۔" گہری نیند میں اسود کی اس وحشت نے اسے بوکھلا ڈالا تھا۔

"اتارو اسے فوراً" اور دوسرا لباس پہنو۔ آئندہ کبھی دوبارہ نہیں پہننا اسے" سخت لہجے میں اسے کہہ کر اس کے بازوؤں سے اپنے فولادی ہاتھوں کی گرفت ہٹا کر دھپ دھپ کرتا اوپر جاکر پوری طاقت سے دروازہ بند کیا تھا۔ رات کے سناٹے میں جس کی آواز ہولناک لگی تھی۔ وہ آہستگی سے اپنے بازوؤں کو سہلانے لگی۔ نمکین پانی اس کی آنکھوں میں اس تذلیل و اہانت کے احساس سے ہونے لگا۔ ساڑی آپی نے دی تھی یہ کہہ کر "اسود یہ ساڑی یسریٰ کے لیے لایا تھا اور اسی دن اسپتال چلی گئی تھی جہاں ڈلیوری کے دوران اس کا انتقال ہوگیا تھا اور جب سے وہ ساڑی ایسے ہی پیک رکھی تھی۔" ان کا اصرار تھا کہ وہ ساڑی ضرور پہنے تاکہ اسود یسریٰ کو بھولنے کی سعی کرے۔ لیکن اس نے دیکھ لیا تھا وہ اس کی یادوں میں مکمل جکڑا ہوا تھا۔ اس کی محبتوں کا حصار یوں قائم تھا۔ یسریٰ اس درخت کی مانند تھی جو کٹنے کے باوجود اپنی جڑیں بہت گہرائی سے زمین کے اندر چھوڑ جاتا ہے۔

پھر دن یوں ہی بوجھل و بے مصرف گزر رہے تھے۔ اسود کی بے اعتنائیاں و بیگانہ پن ہنوز قائم تھا۔ وہ با وفا و سعادت مند بیوی کی طرح اس کی ہر ضرورت کا خیال رکھتی تھی۔ کبھی اسے کسی کام کے لیے کہنا نہیں پڑا تھا اور شاید وہ اس کی خاموش و بے شکوہ خدمتوں کا اثر تھا کہ جو وہ اب اسے اپنے آس پاس برداشت کرلیا کرتا تھا ورنہ شادی کی پہلی رات وہ کمرے میں سحر کے وقت آیا تھا اور سپاٹ و سرد لہجے میں اسے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ وہ اس گھر میں آپی کی خواہش اور پسند سے آئی ہے۔ ان کے دل میں' ان کی زندگی میں اس کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ وہ اسے اپنے نام کے سوا کچھ نہ دے سکیں گے۔ اگر وہ نام کے سہارے رہنا چاہتی ہے تو انہیں کوئی اعتراض نہیں ہے کہ گھر میں جس طرح دوسری اشیاء پڑی ہیں وہ بھی پڑی رہے گی۔ اگر وہ ان سے ذاتی توقعات کی خواہش باندھے تو واپسی کے راستے سے پلٹ سکتی ہے اور وہ واپس جانا ہرگز نہیں چاہتی تھی۔ وہ آٹھ بہن بھائی تھے۔ شاہ زیب اکلوتا تھا۔ ان سات بہنوں میں وہ پہلوٹھی کی اولاد تھی۔ ماں باپ کی از حد لاڈلی ہونے کے ساتھ بہت حساس اور گداز شیریں مزاج کی مالک تھی۔ بابا لڑکوں کے اسکول میں ماسٹر تھے شام کو گھر میں ٹیوشن بھی پڑھاتے تھے۔ گھر کا گزارہ بس گزارہ ہی تھا۔ تمام بچے اچھے اسکول و کالج میں زیر تعلیم تھے۔ اماں کی سلیقہ مندی و کفایت شعاری نے گھر میں دال روٹی کا بندوبست کر رکھا تھا ورنہ اس ہوشربا مہنگائی اور محدود تنخواہ میں غریب فاقوں اور مفلسی سے جنگ کرتے کرتے ہار کر موت کی نیند سوجاتا ہے۔ اماں کے صبر و

For more visit (exponovels.com)

...باعث سوریٰ دنیاوی تعلیم سے محروم تھے۔ ان بہنوں بھائیوں میں ایک ایک سال کا فرق تھا۔ اریبہ کے بعد سوریٰ، ...، رقیہ، رمشاہ، رامیہ اور عدنا۔ اریبہ اور سوریٰ تعلیم سے فارغ ہوئیں تو باپ کا بوجھ بٹانے کے لیے گھر کے قریب کوچنگ سینٹر میں دونوں ملازمت کرنے لگیں۔ بابا اور اماں نے مخالفت کرنی چاہی تھی مگر انہوں نے انہیں قائل کرلیا تھا۔ اس طرح گھر میں حالات کچھ خوش گوار ہونے لگے تھے اور ساتھ ہی سوریٰ کے لیے آنے والے رشتوں میں بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ اریبہ کے دوران تعلیم اچھے پروپوزل آئے تھے جنہیں بابا نے یہ کہہ کر مسترد کردیے تھے کہ "ابھی پڑھ رہی ہے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد سوچیں گے۔" تعلیم سے فارغ ہوئی تو چند رشتے آئے جو قطعی نامناسب و بے جوڑ تھے جو مسترد کردیے گئے۔ پھر ان کا سلسلہ بھی بند ہو گیا اور چار سال گزر گئے۔ اریبہ اور سوریٰ برابر کی لگتی تھیں۔ بلکہ اس کے مقابلے میں سوریٰ کو پہلی دفعہ ملنے والے بڑا سمجھتے تھے۔ کیوں کہ وہ اس سے تندرست اور شوخ مزاج تھی۔ جب کہ وہ بے حد کم گو سنجیدہ مزاج لڑکی تھی۔ اس کی شفاف رنگت اور بڑی بڑی آنکھیں اسے سب میں ممتاز کرتی تھیں۔ لیکن اس کے نصیب اچھے نہیں تھے' ماں باپ اس کی گزرتی عمر کے فکر میں پریشان رہنے لگے۔ اس کی چھوٹی بہنیں قد میں اس کے برابر آتی جارہی تھیں اور ان کے رشتوں کی بھرمار تھی۔ گویا وہ لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو چکی تھی۔ اماں کا خیال تھا سوریٰ کی شادی کردی جائے۔ کہیں ایسا نہ ہو اریبہ کی طرح انکار سن سن کر وہ بھی گھر بیٹھی رہے۔ جب کہ بابا اس بات کے قطعی حق میں نہیں تھے کہ بڑی گھر بیٹھی رہ جائے اور چھوٹی بہنیں رخصت ہو کر گھر سے سسرال چلی جائیں۔ اماں کا اصرار تھا کہ آج کل یہی دستورِ وقت ہے۔ بڑی کے انتظار میں چھوٹیوں کے بال سفید نہیں کیے جاتے لیکن بابا نے اماں کی نہیں چلنے دی کہ اس طرح بڑی بیٹی کی حرمت پر داغ لگتا ہے کہ اس میں کوئی عیب ہے جو لوگ اسے نظر انداز کر رہے ہیں۔ اس نے بھی دبے لفظوں میں بابا کو سمجھانا چاہا کہ وہ سوریٰ کی شادی کردیں کیوں کہ آج کل ایک ڈاکٹر کا رشتہ آیا ہوا تھا جو خاصے معزز و اچھے گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے سوریٰ کو نہ معلوم کہاں دیکھا تھا کہ اسے پانے کے حصول کے لیے ثابت قدمی سے ڈٹا ہوا تھا۔ اس کی ماں اور بہنیں اکثر چکر لگاتی تھیں۔ اماں انہیں انکار نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ محاورتاً نہیں حقیقتاً "انہیں چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی ایسا رشتہ نہیں ملنے کا تھا۔ سوریٰ اس سلسلے میں غیر جانب دار تھی۔ پھر ڈاکٹر فرخ کی والدہ کے ساتھ ایک مرتبہ نبیہ آپی آئی تھیں۔ وہ آئیں تو فرخ کے کہنے پر اماں کو قائل کرنے (نبیہ کے سسرالی عزیز تھے) کی نیت سے تھیں کہ کس بنا پر اتنا اچھا رشتہ رد کررہی ہیں۔ یہاں آکر خاطر و مدارات کرتی خاموش' پرخلوص' خوش اخلاق و شائستہ اطوار رکھنے والی اریبہ پر ان کی جہاندیدہ و متلاشی نگاہیں ٹک گئیں کہ وہ انسانوں کو پرکھنے کی نگاہ رکھتی تھیں۔ اریبہ جیسی لڑکی کی انہیں عرصے سے تلاش تھی۔ انہوں نے بہت سلیقے و اپنائیت سے اپنا مدعا بیان کردیا تھا۔ کوئی بات انہوں نے خفیہ نہیں رکھی تھی۔ اماں بابا کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس کا نصیب اتنا بلند و روشن ہے۔ اسود تنہا اور وسیع کاروبار و جائیداد کا مالک تھا۔ پھر اس کی بھرپور وقار شخصیت سے بھی نہیں لگتا تھا کہ وہ شادی شدہ ہے۔

بابا کو اعتراض تھا کہ وہ اپنی بیٹی سے ایسے شخص سے نہیں بیاہ سکتے۔ اس کی جائیداد کی ان کی نظر میں کوئی اہمیت نہ تھی۔ انہوں نے ساری زندگی بہت سادگی و وقار سے گزاری تھی۔

اماں جو ڈاکٹر فرخ کے رشتے پر نازاں و مسرور تھیں اسود کے پروپوزل نے انہیں بدحواس کر ڈالا تھا۔ ان کی یہی خواہش تھی جس طرح انہوں نے صبح و شام فکرمندیوں و پریشانیوں میں زندگی گزاری تھی کہ معاشی چادر نے انہیں کوئی لمحہ سکون و بے فکری کا نہیں گزارا۔ ... پاؤں ڈھانپتی تو سر برہنہ ہو جاتا' سر کو

بچاتی تو پاؤں کو سرد و گرم سے نہیں بچا پاتی تھیں۔ ... جانے کے چکر میں انہوں نے دوہرے ... گزاری تھی۔ جس سے جسم کی ایک ایک رگ ... تھی۔ اب وہ اپنی بیٹیوں کے لیے ایسی زندگی ... نہیں دیکھنا چاہتی تھیں۔ اس بار انہوں نے بابا کو قائل کرکے چھوڑا۔ بابا نے اس کا عندیہ لینا ضروری سمجھا۔ اس نے سعادت مندی سے سر جھکا دیا کہ چھوٹی بہنوں کی راہ میں حائل اپنا وجود اسے خود کھٹکنے لگا تھا۔ بابا نے ہاں کرنے سے پہلے اسود کو دیکھا' پرکھا تھا۔ انہیں وہ مہذب' پروقار و خاموش طبع سی شخصیت لگا۔ سابقہ کسی طرح بھی شادی شدہ نہیں لگا تھا۔ بلکہ ڈاکٹر فرخ کے مقابل بہت سوبر و ہینڈسم لگا تھا۔ اور یوں ایک خنک سی رات وہ ان کے ہمراہ اس گھر میں ان کے حوالے سے قدم رکھ چکی تھی۔

اس نے بہتے آنسوؤں کو رومال میں جذب کرلیا اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی اپنے بیڈ روم میں آگئی جہاں بلو نائٹ بلب کی دھیمی' پرسکون ٹھنڈک ہر سو بکھری ہوئی تھی۔ بیڈ کے ایک سائیڈ نائٹ سوٹ میں وہ دوسری طرف رخ موڑے نہ معلوم وہ سو رہا تھا یا جاگ رہا تھا؟ اس کے اندر داخل ہونے پر اس کے وجود میں جنبش نہیں ہوئی تھی۔ وہ خاموشی سے کپڑے بدل کر لیٹ گئی۔ جہازی سائز بیڈ کے ایک کنارے پر وہ تھا اور دوسرے کنارے پر وہ کشتی ... سنّاٹی لیٹی تھی۔ روز کا یہی معمول تھا۔

درمیان کا وسیع خلا یونہی اول شب سے رہا تھا۔
ان کے دلوں کے درمیان فاصلوں کی طرح۔
ایک کے سمجھوتے دوسرے کی بے حسی کی طرح۔

آپی نے نہ معلوم کون کون سی قسمیں و واسطے دے کر اسے یہاں اس گھر میں رہنے پر مجبور کیا تھا۔ وہ بھی جیسے قسموں اور واسطوں کی زنجیر میں جکڑا کسی روبوٹ کی طرح بیڈ کے اس کونے پر اس کی طرف پشت کرکے سوجاتا جیسے یہ اس کی ڈیوٹی ہے اور کچھ نہیں۔

آج مجھے خود اس سے روٹھ گئی تھی۔ ... اندر خوابیدہ آنسوؤں کا سمندر آج طغیانی پر تھا۔ خوابوں و خیالوں کی دنیا سے دور رہنے والی حقیقت پسند لڑکی تھی۔ اس نے ہمیشہ بابا اور اماں کا سہارا بننا چاہا تھا۔ باپ کا لاغر وجود' معمولی تنخواہ اور اس پر سات بیٹیوں کے بوجھ کو اپنے کندھوں پر محسوس کرتی تھی اور اس کی خواہش تھی کسی طرح ماں باپ کو ان بوجھوں سے آزاد کروانے میں مدد دے۔ اس نے بھی بہت سے سنہری سپنوں کی کرچیاں اپنی آنکھوں میں نہ سجائی تھیں۔ شادی کے بعد اسود کے بے حس و لاتعلقی سے بھرپور رویوں نے اس کی ذات کو چکنا چور کردیا تھا۔

بے خیالی میں بھی کبھی کوئی ارمان کوئی خواہش' کوئی جذبہ بیدار نہ ہوا کہ وہ ماں باپ کی سرخروئی' بہنوں کی راہ صاف کرکے اسود کے ساتھ سمجھوتے کی زندگی گزار رہی تھی۔ ٹھوس' بے لچک' بے رنگ۔

لیکن آج اس کے گرد قائم بے حسی و ٹھوس مٹی کا حصار چٹخنے لگا تھا۔ پہلی بار اسے احساس ہوا۔ وہ بھی دل' جذبات و احساسات رکھنے والی عام لڑکی ہے جو پیار پا کر بہاروں کے سراپا میں ڈھل جاتی ہے اور ٹھکرائی جائے تو آئینے کی طرح چکنا چور ہو جاتی ہے۔ لڑکی سمجھوتے اور حالات کی زمین پر کب تک قائم رہ چل سکتی ہے؟ وہ اپنی سسکیوں کو اندر ہی اندر دبائے آنکھیں بند کیے خاموشی سے رو رہی تھی۔ اسے محسوس ہوا دوسرا کنارے پر لیٹے وجود میں جنبش ہوئی ہو۔ وہ بہت آہستگی سے اٹھ کر بیٹھا تھا۔ اریبہ بالکل ایسی بن گئی جیسے سو رہی ہو بے سدھ۔ لیکن اس نے دائیں آنکھ میں معمولی سی جھری رکھی تھی۔ وہ سویا نہیں تھا (شاید اس کے سونے کا انتظار کررہا تھا) اس کی آنکھیں نیند سے بھری بے نیاز تھیں۔ وہ بے آواز انداز میں بیڈ سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ پھر اس نے اریبہ کی طرف قدم بڑھائے تھے اور جھک کر اس کے چہرے کو بغور دیکھنے لگا۔ اریبہ نے مضبوطی سے آنکھیں بند کرلیں۔ اس کے کپڑوں سے نکلتی کلون کی مہک اس کی سانسوں کی گرم تپش وہ اپنے چہرے پر شدت سے

For more visit (exponovels.com)

طرح دھڑکنے لگا
محسوس کر رہی تھی۔ دل اس کا بری طرح دھڑک رہا تھا۔ اس کے چہرے پر چلتے آنسوؤں نے اسے متوجہ کیا تھا۔ وہ جھک کر بھی دیکھتی چادر ہٹا کر کیا وہ جاگ رہی ہے یا سو رہی ہے۔ چند لمحے بغور دیکھنے کے بعد جب اسے یقین ہو گیا کہ وہ بے خبر سو رہی ہے تو وہ کارنر کی طرف بڑھا تھا جہاں یسریٰ کی تصویر موجود تھی۔ اس نے اپنے لب اس کی تصویر پر رکھ دیے تھے اور قریب رکھے گلدان سے کوئی چیز نکال کر ہاتھ میں دبا کر دبے پاؤں دروازہ کھول کر باہر نکل گیا تھا۔ اس کے ہر قدم میں خاموشی و پراسراریت تھی۔ اس کے باہر نکلتے ہی اریبہ جو آنکھوں کی جھریوں سے اس کی تمام حرکات و سکنات دیکھ رہی تھی۔ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ وال کلاک تین بجا رہی تھی۔ وہ آنکھیں کھولے حیرانگی سے بیڈ کراؤن اور بیڈ کے خالی حصے کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے اکثر رات کو آنکھ کھلنے پر بیڈ کے اس حصے کو اسی طرح خالی دیکھا تھا۔ لیکن پھر یہ سوچ کر سو جاتی تھی کہ وہ باتھ روم گیا ہو گا۔ لیکن اسے اب معلوم ہوا وہ کہیں جاتا ہے۔ کہاں جاتا ہے اور کیوں جاتا ہے؟ ان سوالوں کا جواب دینے سے وہ قاصر تھی۔ اس نے سوچا اٹھ کر دیکھے وہ کہاں گیا ہے۔ لیکن پھر اس خوف سے آگے نہ بڑھی کہ کہیں وہ فوراً ہی نہ چلا آئے تو وہ کیا جواب دے گی؟
نیند آج پہلے ہی غائب تھی۔ اب تو قریب ہی نہ آئی اور رات کی تاریکی کے پردوں سے صبح کا روشن و پرنور چہرہ آہستہ آہستہ نمودار ہونے لگا تو وہ اسی انداز میں چلا آیا۔ خاموشی و آہستگی سے ہاتھ میں دبی ہوئی شے اس نے اسی طرح گلدان میں سیٹ کی۔ یسریٰ کی تصویر کو چومنے کے بعد وہ لیٹ گیا اور چند لمحوں بعد وہ بے خبر سو رہا تھا جیسے وہ ساری رات یہیں سوتا رہا ہو۔ فجر کی اذان کی آوازیں دور دور سے آنے لگیں۔ اریبہ اٹھ کر وضو کرنے باتھ روم کی سمت بڑھ گئی۔
"ناراض ہو...؟" بھاری و گمبھیر آواز بہت قریب سے ابھری تھی۔ اس نے چونک کر دیکھا وہ اس کے قریب کھڑا استفسار کر رہا تھا۔
"نن... نہیں، میں ناراض کیوں ہونے لگی؟" وہ دوپٹا درست کرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔
"شاید رات کو میں زیادتی کر گیا تھا۔ سوری۔"
"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" وہ اس کی بات قطع کر کے گویا ہوئی۔ اس کی قربت اس کا التفات لہجے کی حلاوت و شائستگی اسے بدحواس و ہراساں کرنے لگے۔
"پھر آپ نے صبح ناشتا کیوں نہیں کیا؟ اب کھانا بھی نہیں کھا رہی ہیں۔" رات کی اپنی زیادتی کا احساس اسے حقیقتاً ہو گیا تھا یا وہ اس پر ترس کھا رہا تھا؟
"کھانا لگ گیا ہے... کھانا کھائیے۔ آپی کا فون آیا تھا۔ وہ آپ کا پوچھ رہی تھیں۔ میں نے کہہ دیا ہے آپ سو رہی ہیں۔ کھانے کے بعد کال کر لیجئے گا۔"
اس نے طویل سانس لی تو گویا یہ اطلاع تھی پہلی بار وہ اس سے باتیں کر رہا تھا۔ موڈ اس کا اچھا تھا۔ لگ رہا ہے اس پر بھی نظر ڈال لیا تھا۔ بلیک جینز و بلیو ہاف آستین کی ٹی شرٹ میں وہ بہت وجیہہ لگ رہا تھا۔ اس کے سفید سرخی مائل چہرے کو سیاہ گھنی مونچھوں نے خاصا پررعب بنا دیا تھا۔ اس کی باتوں میں یسریٰ کی مہک، اس کی یادیں، اس کی باتیں، اس کی رفاقتوں کے رنگ تھے۔
"آپ کو یسریٰ سے بہت محبت تھی؟" اس نے چائے دیتے پوچھا۔
"تھی...؟" اس کے چہرے پر ناگواری و درشتگی ایک دم بے دار ہوئی تھی۔ "مجھے اس سے محبت تھی نہیں ہے اور مرتے دم تک رہے گی، سمجھیں تم۔" وہ ایک دم پٹری سے اترا تھا۔
"میرا یہ مقصد نہیں تھا۔ آپ برا مان گئے؟ آپ مجھ سے یسریٰ کی باتیں کر سکتے ہیں۔ مجھے بے حد خوشی ہو گی اس کے بارے میں جان کر سن کر۔" اس کے لہجے میں صداقت و اشتیاق تھا۔
"اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ تم جیلس نہیں ہو گی؟" اس نے سنگ دلی سے تیر پھینکا تھا جو سیدھا اس کے دل میں ترازو ہوا تھا۔ وہ باہمت و پرعزم تھی خاموشی سے انا و خودداری کی کرچیاں دیکھتی رہی۔

"یہی گارنٹی ہے میرے جیلس نہ ہونے کی کہ میں آپ سے خود اصرار کر رہی ہوں۔" اس نے مسکراتے ہوئے صبر و تحمل، ضبط و برداشت کا بے مثال مظاہرہ کیا۔
اس کی اس حکمت و تحمل نے جہاں اس کی انا کا خراج لیا تھا وہیں اسود کی زندگی میں اس کے لیے کچھ گنجائش نکل آئی تھی۔ اب وہ آفس کے بعد بے مقصد باہر دوستوں کی محفلوں میں نہیں رہتا تھا۔ اس کا فارغ وقت اریبہ کے ساتھ گزرنے لگا تھا۔ اس سے یسریٰ کی باتیں ہوتی تھیں۔ وہ کیسے بولتی تھی؟ وہ کیسے ہنستی تھی؟ وہ کیسے چلتی تھی؟ اس پر کون سا رنگ کھلتا تھا۔ اس سے یونی ورسٹی میں پہلی ملاقات سے لے کر لیبر روم کے باہر ہونے والی آخری ملاقات تک کی ایک ایک بات وہ اسے سنا چکا تھا۔ لیکن اسے پھر بھی لگتا تھا باتیں اس کی کبھی ختم نہیں ہوں گی۔ اس کے چہرے پر خوب صورت رنگ دھنک کی طرح بکھرے ہوتے تھے۔ آنکھوں میں جگنوؤں کی چمک جگمگاتی تھی۔ وہ از سر نو یسریٰ کی قربت و شباہت کے ساگر میں ڈوب جاتا۔ اس بات سے قطعی بے خبر کہ وہ جس سے ایسی باتیں کر رہا ہے جو اس کی ناپسندیدہ ہی سہی مگر ہے تو اس کی بیوی۔ مردہ بیوی کی ایک ایک یاد اس نے متاع حیات کی طرح سنبھال کر رکھی تھی اور زندہ وجود کی اس کی نگاہوں میں کوئی اہمیت و وقعت نہیں تھی۔
وقت کچھ اور گزرا تھا۔ اسود کی سرگرمیاں وہی تھیں۔ اس کی اہمیت اس کے نزدیک اتنی ہی اہم تھی کہ وہ اس سے ابھی بھی خاموشی سے یسریٰ کی باتیں سنتی تھی۔ اور بس اس دوران بھی وہ اسے اماں کے ہاں پندرہ پندرہ دنوں کے حساب سے بھجوا چکا تھا۔ اس بار وہ خود ہی بائیس دن گزرنے کے بعد چلی آئی تھی۔ بابا کا متفکر چہرہ، اماں کو اپنی جلد بازی وغیرہ دانش مندی پر کڑھتے دیکھنا اسے گوارہ نہ تھا۔ رہی سہی کسر خالہ حاجرہ جو اماں کی خالہ زاد بہن تھیں اور پڑوس میں ہی مقیم تھیں وہ مکمل کر دیا کرتی تھیں۔ جب سے انہیں سویرا کے ہاں جلد نئے مہمان کی آمد کا معلوم ہوا تھا اریبہ کی خالی گود اور سونے پن کا احساس انہیں اور زیادہ ہونے لگا تھا۔ وہ آتے جاتے [illegible] اپنے شوشے چھوڑتیں کہ [illegible] نگاہوں سے اس کے سراپے کا جائزہ لینے لگتیں۔ [illegible] کوشش کرتی تھی ان کی نگاہوں سے اوجھل ہونے کی۔
جب سے اس نے دیکھا تھا اسود رات کے وقت کمرے سے غائب ہوتے ہوئے اس کے تجسس کو راہ مل گئی تھی۔ پہلے وہ بے خبر سوتی تھی اب خود ہی نیند اچاٹ ہو جاتی تھی۔ اسود کو اندازہ تھا وہ لیٹتے ہی سو جاتی ہے۔ وہ اس بات سے قطعی بے خبر تھا کہ وہ سوتی نہیں بن جاتی ہے۔ وہ اسی طرح اٹھ کر تکیے کے نیچے سے کوئی چیز نکال کر چلا جاتا تھا اور فجر کی اذان سے قبل آ جاتا تھا۔ اسے معلوم تھا اریبہ نماز پابندی سے پڑھتی ہے۔ ڈھیروں باتیں کرنے کے باوجود اس نے کبھی اس راز سے پردہ نہیں اٹھایا تھا اور اس نے بے حد خواہش کے باوجود کبھی خود پہل کرنے کی جسارت نہ کی کہ وہ کہیں بدگمان نہ ہو جائے۔
موسم صبح سے ابر آلود تھا۔ بھیگی ہوا کے مست جھونکے خوش گواریت و تازگی کا بھرپور احساس دے رہے تھے۔ اس نے کھڑکی کا شیشہ ہٹا کر باہر دیکھا تھا۔ ننھے ننھے بارش کے قطرے پیاسی دھرتی کی پیاس کو بجھانے اس کی آغوش میں جذب ہو رہے تھے۔ ماحول میں مٹی کی مہک روح کو سرشار کر رہی تھی۔ اس نے پرشوق نگاہوں سے آسمان کی سمت دیکھا جہاں لگتا تھا سیاہ آنچل سے سفید چمک دار موتی ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے ہوں۔ بارش کے ان قطروں میں گھلی ملی خوشی و خوب صورتی کو وہ دیکھتی رہی۔ رم جھم پھوار نے تیز برسات کی شکل اختیار کر لی تھی۔ ہوا نے پھر سرکش گھوڑوں کی طرح رخ بدل لیا تھا۔ پانی ہوا کے

For more visit (exponovels.com)

ساتھ اندر آنے لگا تو اس نے کھڑکی بند کرتے کرتے لان پر ایک نگاہ ڈالی تو اجڑے لان کو دیکھ کر اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ ویرانے میں کھڑی ہے۔ خاصا وسیع و عریض لان تھا جو کبھی سرسبز و شاداب رہا ہوگا مگر وہاں تمام پودے و گھاس جل کر ختم ہو گئی تھی۔ سیب، امرود، لیموں اور ہار سنگھار کے درخت اپنی بے وقعتی اور لاتعلقی کا شکوہ کرتے نظر آئے۔ وہ اول دن سے ان کے وجود سے غافل رہی تھی۔

اس نے دوپٹے سے بھیگا چہرہ صاف کیا معاً اس کی نگاہ یسریٰ کی تصویر کے پاس رکھے گل دان پر پڑی اور وہ بلا ارادہ اس کی طرف بڑھ گئی۔ اس کا ہاتھ اسی انداز میں اس طرف بڑھا جس طرح اسود کو وہ دیکھتی تھی۔ دوسرے لمحے اس کے ہاتھ میں گولڈن لمبی سی کی تھی۔ وہ بغور اس کی کو دیکھ رہی تھی پھر دروازہ کھول کر راہداری عبور کرکے اس کمرے کی طرف آگئی جہاں اسے یا کسی ملازم کو آنے کی اجازت نہیں تھی۔ اس حصے کی صفائی کرنے اسود کا خاص ملازم ہفتے کے ہفتے آتا تھا اور اس کی موجودگی میں صفائی کرکے چلا جاتا تھا۔ اسے شک ہونے لگا تھا۔ رات کو یہیں اسود آتا تھا۔ اس نے آہستگی سے کی ہولڈر میں گھمائی اور دروازہ بے آواز کھل گیا۔ اس نے دھڑکتے دل سے اندر قدم رکھا تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ میرون کلر میں ڈیکوریٹڈ کیا گیا کمرہ بیش قیمت فرنیچر، قالین و پردوں سے آراستہ تھا۔ دیواروں پر موجود پینٹنگز اور ڈیکوریشن پیسز امپورٹڈ اور بیش قیمت تھے۔ بیڈ پر میرون شنیل کی چادر، تکیے اور رضائی تھی۔ گل دانوں میں سجے پھول اس قدر باسی تھے کہ وہ اپنی رنگت کھو بیٹھے تھے۔ سامنے ڈریسنگ ٹیبل پر میک اپ کا سامان اور دوسرے لوازمات بہت سلیقے سے رکھے ہوئے تھے۔ اے سی آن تھا۔ خواب گاہ کو اس طرح آراستہ و پیراستہ کیا گیا تھا جیسے وہ کسی پرنس و پرنسز کا بیڈ روم ہو۔ سب سے زیادہ اسے وہاں جس چیز نے چونکایا تھا وہ یسریٰ کی قد آدم تصاویر تھیں جو وہاں بہت ترتیب سے لگی ہوئی تھیں۔ یہ تصاویر ان تمام تصاویر سے مختلف تھیں جو پوری کوٹھی میں جگہ جگہ لگی ہوئی تھیں۔ یہ تصاویر اس کے پریگنینسی پیریڈ کے دوران کی تھیں جس میں اس کا جسم تو بے ڈھب و بے ڈھل لگ رہا تھا۔ مگر ممتا کے پرنور رنگ، ماں بن جانے کا فخر اسود کی حد سے سوا بڑھتی وارفتگیوں، دیوانگیوں کے رنگوں نے اس کے من کو وہ مدہوش کردینے والی جلا بخشی تھی کہ وہ بھی چند لمحے بے خودی اسے دیکھے گئی تھی۔ باہر گرج چمک شروع ہو چکی تھی۔ وہ اسود کے گھر آنے سے پہلے یہاں سے چلی جانا چاہتی تھی کہ واپس پلٹتے وقت اس کی نگاہ سامنے دیوار گیر ریک پر پڑی اور اسے اپنے قدموں تلے زمین سرکتی ہوئی محسوس ہوئی۔ لمحے بھر میں کمرہ اسے گھومتا ہوا محسوس ہوا۔ ریک میں سجی رنگ برنگی بوتلوں کے لیبل وہ با آسانی پڑھ چکی تھی۔ اسود ڈرنک کرتا تھا اسے اس سوچ سے ہی گھن آنے لگی۔ اتنا سوبر، اتنا پروقار، بارعب شخص اندر سے اس قدر گھناؤنا گھٹیا تھا وہ سوچ کر رہ گئی۔

اس نے جیسے تیسے دروازہ لاک کیا اور اپنے کمرے میں آکر چابی گل دان میں رکھ کر بیڈ پر گر کر رونے لگی۔ وہ سب برداشت کرسکتی تھی مگر ایک شرابی اس کا آئیڈیل کبھی نہ تھا۔

”بی بی جی! صاحب آپ کو بلا رہے ہیں۔ نیچے مہمان آئے ہیں۔“ ملازمہ نے اسے آکر اطلاع دی تو اس نے دوپٹے سے چہرہ صاف کیا۔ ”کون مہمان ہیں؟“ سوچتی ہوئی نیچے چلی آئی۔ اسود کے پاس بیٹھی خاتون گرین جارجٹ کی پرنٹڈ ساڑی میں ملبوس تھیں۔ چہرے پر خوب رنگ و روغن سے آرائش کی گئی تھی اور اسی حساب سے زیور لادا گیا تھا۔ ڈائی کٹ ہیر اسٹائل ان کے بھاری بھرکم چہرے پر قطعی سوٹ نہیں کررہا تھا۔ وہ تنقیدی نگاہوں سے اس کا جائزہ لے رہی تھیں۔

”اسود! اگر تمہیں دوسری شادی کرنی ہی تھی تو بیوی تو اسٹینڈرڈ کی لاتے۔“ انہوں نے اس کے سلام کو نظر انداز کرکے اس کے دوپٹے سے ڈھکے سر، سادہ چہرے اور لباس سے اس کی کلاس کا اندازہ لگایا تھا۔

بہت تنفر و تحقیرانہ انداز میں اریبہ کو دیکھتے ہوئے انہوں نے سرد لہجے میں کہا۔

”آپا! اگر مجھے بیوی کی ضرورت ہوتی تو میں کلاس اور اسٹینڈرڈ کا دھیان رکھتا۔ یہ آپ کی پسند ہے۔ یسریٰ کے علاوہ میری زندگی میں کسی دوسری کی گنجائش نہیں ہے۔“ وہ اس کے احساسات سے بے خبر گفتگو کر گیا تھا۔ اس کے اوپر گزرنے والے کرب سے اسے کوئی سروکار نہیں تھا۔

”یسریٰ کی بجائے آپا کے لیے کمرہ صاف کرواؤ۔“ وہ خاصے تحکم بھرے انداز میں گویا ہوا۔ ”ہاں کپڑے دوسرے بدلو۔“ [illegible]

اس نے ملازمہ سے کمرہ سیٹ کروایا اور لباس بدل لیا۔ وہ بے حس ہوگئی تھی۔ ہر احساس، ہر جذبے، ہر خوشی سے عاری۔ کھانے کی میز پر چہرہ روبرو تھی۔ بھوک اسے نہ تھی مگر ان کے خیال سے آگئی تھی۔ اس کی برابر کی کرسی پر اسود آکر بیٹھ گیا۔ وہ دونوں اس طرح پہلی بار بیٹھے تھے۔ اپیا نے ایک خشونت بھری نگاہ ان پر ڈالی۔ اسود جس سے لاعلم رہا وہ پوری جان سے ہل اٹھی۔ دوسرے لمحے انہوں نے چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر رونا شروع کردیا۔ اس کا ساس کی طرف بڑھتا ہاتھ رک گیا۔ اسود انہیں خاموش کروانے کے جتن کرنے لگا۔

”اسود! میں پہلے کہہ رہی تھی، مجھے ہوٹل میں رہنے دو۔۔۔ میں برداشت نہیں کرسکوں گی یسریٰ کی جگہ کسی اور کو اس گھر میں۔۔۔ میری بہن نے کتنے ارمان و چاہت سے یہ گھر بنوایا تھا جہاں اسے سکون سے رہنا بھی نصیب نہیں ہوا۔ میری بہن نے یہ گھر ٹھیک سے استعمال بھی نہیں کیا اور ارمان دل میں لیے چلی گئی۔“ وہ خشک آنسوؤں سے رو رہی تھیں۔ وہ گویا پتھر کی ہوگئی۔

”اریبہ! آپ کھانا کچن میں کھالیں۔ اپیا اس وقت جذباتی ہو رہی ہیں۔“ وہ سالی کی محبت میں بے کل ہوتے ہوئے اس سے بے تاثر انداز میں بولا۔

”پلیز! جب تک میں یہاں ہوں اسے یہاں سے بھیج دو۔ اسے دیکھ کر مجھے احساس ہوتا ہے میری یسریٰ مجھ سے بچھڑ گئی ہے۔“ لاؤنج سے باہر نکلتے اس نے ان کی آواز سنی۔

وہ کچن میں جانے کے بجائے اپنے کمرے میں آگئی۔ اس گھر میں یہ ہی واحد جگہ تھی جو اس کے لیے سکون [illegible] ہو کر رہ گئی تھی۔ چھوٹا سا پلنگ بنا کر رہا تھا اس کے اندر بھی جل تھل ہو رہی تھی۔ چہرہ سپاٹ تھا اندر طغیانی موجزن تھی۔ ایک گھنٹہ بعد وہ کمرے میں آیا تھا اپنا من پسند پیغام لے کر۔

”اریبہ! آپ چند روز کے لیے اپنے گھر چلی جائیں۔“ وہ تمہیداً گویا ہوا۔

”اپنے گھر۔۔۔ میرا گھر کون سا ہے؟ عورت کا گھر کہاں ہوتا ہے؟ اماں کہتی ہیں لڑکیوں کا اصلی گھر ان کا سسرال ہوتا ہے۔ خالہ جان کہتی ہیں ’اپنا گھر بار بار چھوڑ کر مت آیا کرو۔‘ دیکھنے والوں کی نگاہوں میں یہ گھر میرا ہے۔ حقیقت میں یہ گھر یسریٰ کا ہے۔ اماں کا گھر میرا گھر ہے۔ مجھے بتائیں کہاں ہے میرا اپنا مسکن، تلاش کروں؟“ اس کے اندر [illegible] چیخ اٹھا تھا۔ وہ بزدل محبت پسند دل کی پکار کو زبان نہ دے سکی۔

”پہلے کیا سوچ رہی ہیں؟ میری بات سنی آپ نے؟“ وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

”جی۔“ اس نے اس کا بھاری و گرم ہاتھ ناگواریت سے شانے سے جھٹکا تھا۔ اس کی نگاہوں میں ریک میں سجی رنگ برنگی بوتلیں گھومنے لگی تھیں۔ کراہیت کا احساس شدت سے جاگزیں ہوا تھا۔ جب کہ وہ استعجابیہ انداز میں اپنے ہاتھ اور اس کے چہرے کو نگاہوں کے تاثر کو دیکھ رہا تھا۔

”اس وقت نہیں۔۔۔ صبح چلی جاؤں گی۔“ وہ سپاٹ و اٹل لہجے میں گویا ہوئی۔

”کھانا ڈائننگ روم میں پہنچ چکا ہے۔“ چند لمحات غیر ارادی طور پر اسے دیکھنے کے بعد وہ کمرے سے چلا گیا۔ اس نے اتنا بھی پوچھنا گوارہ نہیں کیا تھا کہ اس نے کھانا کھایا یا

For more visit (exponovels.com)

نہیں۔ شاید اس کے نزدیک اس کے لیے اخلاق، اخلاص بے معنی تھے۔ اس نے بے دلی سے کافی بنا کر خود ہی سو کرنے کے خیال سے چلی گئی۔ لیونگ روم کے دروازے کے پردے کے پیچھے سے آتی یسریٰ کی بہن کی آواز نے اس کو وہیں ساکت کر دیا۔

"یہ بھوکے ننگے خاندان کی لڑکیاں بہت چالاک اور ہوشیار ہوتی ہیں۔ اسود تم تو صدا کے بے پروا و بے خبر رہنے والے شخص ہو۔ نہ معلوم وہ اب تک کیا کیا لے گئی ہوگی یہاں سے۔ یسریٰ نے کتنی محبت، کتنے ارمان سے گھر میں ایک ایک چیز سجائی تھی۔ تو امیری بہن کو کچھ بھی برتنا نصیب نہیں ہوا۔" ان کی سسکیوں کی آواز اندر سے ابھری تھی۔ ساتھ ہی مضطرب و بے کل سی اسود کی آواز بھی سنائی دی۔

"پلیز آپا! آپ اس طرح مت سوچا کریں۔ آپ دکھی ہوتی ہیں۔ مجھے محسوس ہوتا ہے جیسے یسریٰ مجھ سے شکوہ کر رہی ہے کہ میں اس کی بہن کا خیال نہیں رکھ رہا۔"

"مطلوب... معلوم اس پر وہاں کی گزرتی ہوگی۔؟ جب وہ تمہارے پہلو میں اپنی سوکن کو محسوس کرتی ہوگی۔ خیر۔ تم ہر چیز کی خبر رکھا کرو۔ خصوصاً" روپیہ زیور تو کبھی اس کے ہاتھ میں دینا ہی نہیں۔ ایسی لڑکیاں تم جیسے شوہروں کے پیسے سے ماں باپ کے محل کھڑے کروا دیتی ہیں۔ ایسے لالچی و حریص لوگوں کا تو جیسے لڑکیاں دینے کا مقصد ہی بچی کے ذریعے دولت سمیٹنی ہوتی ہے۔" اندر سے ان کی بہکانے والی شیطانی آواز آرہی تھی۔ اس تحقیر و ذلت پر اس کے شل اعصاب جیسے لاوا اگلنے لگے تھے۔ لمحے بھر کو اس کا دل چاہا۔ اندر جا کر اس بہتان تراش، تنگ ذہنیت کی حامل عورت کو ایسی کھری کھری سنائے کہ آئندہ خواب میں بھی وہ کسی بے بس و مجبور بیٹیوں کے والدین کے خلاف شر انگیز و رذیل بکواس نہ کر سکے۔ ماں باپ اور ان کی ناموس کی غیرت کا یہ جلال لمحے بھر بعد غائب ہو گیا تھا۔ پھر فوراً ہی اس کی در گزر کرنے والی فطرت، مصلحت پسندی و بزدلی عود کر آئی اور اسے ٹھنڈا کر گئی۔ وہ اپنے غصے کو عملی جامہ یوں نہیں پہنا سکی کہ اگر اسود ان کی باتوں کو فضول اور جھوٹ سمجھتا تو انہیں بولنے سے روک سکتا۔ ان کی غلط فہمی دور کر سکتا تھا۔ کیوں کہ شادی کو سال ہونے کو آیا تھا۔ اس نے آج تک اسے کوئی اپنائیت کا احساس نہیں دیا۔ روپے دینا یا دوسری ضروریات کا خیال رکھنا تو خوابوں کی بات تھی۔ یسریٰ آسیب کی طرح اس پر چھائی ہوئی تھی۔ اب ان کی گھٹیا بکواس خاموشی سے سن رہا تھا۔ نہ اس کے انکار یا اقرار کی آواز آرہی تھی۔ جس کا مطلب تھا وہ ان کی رائے سے متفق ہے۔ کیوں کہ خاموشی بھی اقرار کی زبان ہوتی ہے۔ اس نے ڈیک بند کرتے چوکیدار کو بلا کر ٹرے میں رکھے مگ اور فلاسک پکڑا کر لیونگ روم میں لے جانے کا کہہ کر اوپر اپنے کمرے میں آگئی۔

عورت کسی بھی طبقے سے تعلق رکھتی ہو۔ اس کی حاسدانہ، غاصبانہ و کینہ پرور فطرت کبھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ اپنے گھر میں خوش و خرم و بلا شراکت غیرے حکمرانی کرنے والی عورت ہمیشہ دوسری عورت کے تاج کو تاراج کرنے کی سازشوں میں سرتاپا غرق رہتی ہے۔ نیند آنکھوں سے اس کی پھر اچاٹ ہو چکی تھی۔ اماں کے ہاں سے آئے عرصہ ہی کتنا گزرا تھا پھر اسے نہ معلوم مدت کے لیے جانے کا حکم مل چکا تھا۔ گھر والے اس کی آمد کے عادی ہو گئے تھے یا اماں بابا کو اپنی جلد بازی کا بھرپور طریقے سے ادراک ہو چکا تھا۔ اب اس کی آمد پر اماں تفتیش نہیں کیا کرتی تھیں۔ بابا نے بھی یہ پوچھنا چھوڑ دیا تھا کہ "اسود میاں کتنے عرصے کے لیے گئے ہیں، کہاں کس ملک گئے؟" ہاں یہ اس نے بڑی شدت سے محسوس کیا تھا۔ سب اس کا پہلے سے زیادہ خیال رکھتے ہیں۔ ان کی محبتیں، چاہتیں حد سے سوا ہو گئی ہیں۔ جیسے وہ اس کے دل پر لگے زخموں پر مرہم رکھ رہے ہوں۔ اس کے دکھ اس کے کرب کا تنکا تنکا سمیٹ رہے ہوں۔ اس نے آج تک کوئی حرف سچائی کا منہ سے نہیں نکالا تھا۔ خود کو فریش و خوش ظاہر کرتی رہی تھی۔ لیکن پھر بھی جیسے سب ان کہے ہی جان گئے تھے۔ اپنوں کے ان محسوسات پر وہ ششدر

تھی۔ وہ سوچوں کے بھنور میں ڈوب ابھر رہی تھی۔ ایک گھنٹے بعد وہ آیا تھا۔ وہ سوتی بن گئی۔ وہ نائٹ سوٹ بدل کر لمبے کمرے میں چکر لگاتا تھا۔ اس نے آنکھوں پر رکھے بازو کی جھری سے دیکھا جیسے اسے کسی کی طلب ہو۔ وہ مضطرب سا تھا۔ بے دھیانی میں اس نے کروٹ بدلی تو ہاتھوں میں پڑی کانچ اور سونے کی چوڑیاں کھنک اٹھی تھیں۔ اسود اس کی طرف بڑھا تھا۔ اس نے مضبوطی سے آنکھیں بند کر لیں۔ لیکن پھر کچھ گرم گرم مہکتی سانسوں کی تپش وہ اپنے چہرے پر محسوس کرنے لگی۔ اس کا دل بری طرح دھڑکنے لگا۔ اسی دم اپنے شانوں پر گرم و مضبوط ہاتھوں کی گرفت محسوس کر کے اس کے ہاتھ پاؤں کانپنے لگے۔ تپش چہرے کو جھلسانے لگی۔ ہاتھوں کی گرفت بڑھتی جا رہی تھی۔ اس نے سراسیمہ ہو کر آنکھیں کھولیں تو وہ اس پر جھکا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں نئی روشنی تھی۔ چہرہ جذبات کی زیادتی سے سرخ تھا۔ اس نے ایک جھٹکے سے اس کے ہاتھ شانوں سے ہٹائے تھے اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"کیا ہوا۔۔۔؟ ڈر گئیں آپ۔" لمحے کے ہزارویں حصے میں اس کا چہرہ جذبات سے عاری ہوا تھا۔ لہجہ اس کا عام فہم تھا لیکن اس نے گہرے انداز میں اپنے جھٹکتے ہوئے ہاتھوں کا جائزہ لیا تھا۔

"یہاں ابھی کوئی تھا۔۔۔ میرے چہرے پر اس کے سانسوں کی تپش پڑ رہی تھی۔" گھبراہٹ و بے چینی میں اس نے وہ کہہ دیا جو کہنا نہیں چاہیے تھا۔

"آپ ڈر رہی تھیں۔۔۔ میں نے سنبھالا ہے آپ کو شاید اس دوران آپ ڈر گئی ہیں۔" وہ بیڈ کے کونے پر دراز ہوتا ہوا اپنی مخصوص سنجیدگی سے گویا ہوا۔ اس کا لہجہ حسب معمول سپاٹ و بے گانگی سے پر تھا۔ اس نے چونک کر اس کی اطلاع پر اپنا جائزہ لیا تو شرمندہ سی ہو گئی۔ وہ واقعی اس پوزیشن میں تھی کہ معمولی سی جنبش پر گر سکتی تھی۔ لیکن پھر اس کے ملبوس کی مہک، سانسوں کی گرمی، بازوؤں کا لمس کیا وہم تھا؟ کیا میں جاگتے میں خواب دیکھ رہی تھی؟ یا وہ کسی جذباتی لمحے پر ڈال رہا ہے؟"

◆ —— * —— ◆

"آج تو صبح ہی آگئی اسے۔ بنی اٹھ چلا گیا تمہارا خاوند؟" پر تجسس چہرے سمیت لالائیں کی طرح گھوم رہی تھی۔ کچھ نئی اندر کا بھید پانے کی جستجو میں سرگراں آنکھیں لیے خالہ جان حاضر تھیں۔

"خالہ جان! آپ چھت پر کیا کرتی رہتی ہیں؟ رات ہو تو چھت پر، دن ہو تو چھت پر پائی جاتی ہیں آپ۔" فروا ان کے بے جا سوالات اور بہن کی پریشان صورت دیکھ کر ان سے چڑنے لگی تھی۔

"میں کیا کروں گی اس عمر میں چھت پر چڑھ کر؟" وہ تنک کر گویا ہوئیں۔

"چھت پر چڑھنے کے لیے کوئی "مخصوص" عمر ہوتی ہے خالہ جان۔"

"فروا! کھانا پکانے کی تیاری کرو۔ تمہارے بابا جلدی آئیں گے آج۔" وہ اسے تنبیہی نگاہوں سے گھور کر بولیں۔ انہیں چھوٹوں کا بڑوں سے گستاخی کرنا ہرگز پسند نہ تھا۔

"سویرا اپنی کی شادی کیا ہوئی، ہم تو اس کی صورت دیکھنے کو ترس گئے۔ کہاں چھوڑتا ہے۔ اس کا میاں۔۔۔ بہت محبت کرتا ہے۔ اس کی محبت دیکھ کر تو مجھے تمہارے خالو یاد آنے لگتے ہیں۔ اللہ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ میری جدائی انہیں ذرا گوارہ نہیں تھی۔ جہاں میں میکے جانے کا نام لیتی فوراً ہی کسی نہ کسی بیماری کا بہانہ کر کے اتوائی کھٹوائی لے کر پڑ جاتے۔ جہاں میں نے میکے جانے کا ارادہ بدلا، وہیں تندرست ہو کر بیٹھ جاتے۔ تب با کیا دن تھے۔"

"بجیا! آپ کیا کھائیں گی؟" فروا اٹھتے ہوئے استفسار کرنے لگی۔

"جو بھی بنے گا کھا لوں گی۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"کل شامی کباب بنائے تھے۔ قیمہ بچا ہوا رکھا

For more visit (exponovels.com)

ہے۔ وہ فرائی کررہی ہیں۔ آج تو آلو گوشت پکا رہی ہوں۔ آپ جو کہیں گی وہ پکاؤں گی۔" فروا نے اس کی پسند پر اصرار کررہی تھی۔

"تھوڑے چاول بوائل کرلینا۔ آلو گوشت کے ساتھ بوائل چاول مزہ دیتے ہیں۔"

"ایسی سعادت مند اور صابر بچی کہاں تم نے اسے کانوں میں پھینک دیا۔ اے بی اے یہ تم جب بھی آتی ہو سال کے گھر کا ہی سونے کا سیٹ پہن کر آتی ہو۔ کیا اسود میاں نے اپنے سیٹ اٹھا کر رکھ دیے۔ ایک نہ دو پورے سات سیٹ تھے۔" ان کی نگاہ لاکٹ چین، کانوں میں جھمکوں اور بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں پڑی نازک سی انگوٹھی پر تھی۔ ناک میں ڈائمنڈ کی لونگ تھی جو اس کے سسرال کی طرف سے تھی۔ اس کے علاوہ وہ کچھ بھی وہاں کا زیور پہن کر نہیں آتی تھی۔ وہاں کے تمام سونے کے سیٹ بھاری تھے۔ وہ عموماً "اماں کے گھر کا ہلکا پھلکا لاکٹ سیٹ پہنے رہتی۔ آپ ہی کی تاکید پر اس نے وہاں کی سونے کی بارہ چوڑیاں اور بھاری بھاری کڑے کبھی نہیں اتارے تھے۔ لیکن کل رات کو سسری کی بہن کی باتیں سن کر وہ آج وہ چوڑیاں اور کڑے اسود کے سامنے اتار کر رکھ آئی تھی۔ اب کانچ کی سرخ و سبز چوڑیاں اس کے ہاتھوں میں تھیں جن کا جائزہ حاجرہ خالہ پہلے ہی لے چکی تھیں۔

"نہیں خالہ جان! ایسی کوئی بات نہیں۔ اسود نے ایسی کوئی پابندی نہیں لگائی نہ ہی وہ ان چیزوں پر دھیان دیتے ہیں۔ مجھے اماں کے ہاں کا ہی سیٹ اچھا لگتا ہے۔" اس نے نارمل انداز میں انہیں مطمئن کرنا چاہا۔ مگر وہ آسانی سے مطمئن ہونے والی عورت نہیں تھیں۔ ان کی جہاندیدہ و طرار نگاہوں نے اس کے مضمحل و پژمردہ وجود سے بہت کچھ اخذ کرلیا تھا جو وہ جب تک اس کے منہ سے اگلوا نہ لیتیں سکون سے نہیں بیٹھ سکتی تھیں۔ ان کی فطرت ہی کچھ اس قسم کی تھی۔

"بیٹی! تم جاکر ذرا سامان وغیرہ دیکھ لو۔ سویرا کے ہاں سے کبھی بھی اطلاع آسکتی ہے۔ میں نے تو اپنی طرف سے بچے کے اور اس کے لیے مکمل تیاری کی ہے۔ مگر تم ایک مرتبہ دیکھ لو۔ کوئی کمی رہ گئی ہو تو ابھی پوری کرلوں۔" اماں جو خاموشی سے چھوٹے چھوٹے کرتے پر کڑھائی کررہی تھیں اس سے مخاطب ہوئیں۔ اور وہ موقع غنیمت جان کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

حاجرہ خالہ کو پھر اس کی خالی گود کی فکر ستانے لگی تھی۔ وہ اماں کو مشورہ دے رہی تھیں کہ اسے کسی ہوشیار ڈاکٹر کو دکھا کر علاج کروائیں وغیرہ وغیرہ۔

وہ اندر کچن میں فروا کے پاس چلی آئی جو گوشت چڑھا کر جوس تیار کرچکی تھی۔ اس کو گلاس وہیں تھما کر صحن میں اماں اور خالہ کو دے کر آنے کے بعد والے لے کر کمرے میں آگئی۔

"بجو! پچھلے ہفتے اسفندیار اپنی والدہ کو لے کر آیا تھا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ آپ کی شادی ہوگئی ہے سچ وہ بے حد افسردہ ہوگیا ہے۔ ان کی والدہ کا بھی یہی حال تھا۔" فروا نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے حیرت انگیز خبر سنائی تھی۔

"اسفندیار۔۔۔؟ کیوں۔۔۔؟ ہمارے درمیان ایسی کوئی بات نہیں تھی۔"

شربت کا گلاس اس کے ہاتھ میں لرز گیا تھا۔ شوخ و شریر اسفند کا سراپا اس کی نگاہ میں ابھرا تھا۔ اس سے سرسری طور پر چند بار ٹکراؤ ہوا تھا۔

"بجو! آپ نے محسوس ہی نہیں کیا اس کے جذبات و احساسات کو آپ نے محسوس ہی نہ کیا ہوگا اس کی والدہ کہہ رہی تھیں۔ وہ یعنی ان کے بیٹے نے جب سے اریبہ بجی کو دیکھا ہے دیوانہ ہوگیا ہے۔ وہ اپنی بیٹی کے پاس نیوبلی گئی ہوئی تھیں۔ ان کی بیٹی کے بچی کی ولادت ہوئی تو وہ اسفند کے بے حد اصرار پر پاکستان آتے ہی ہمارے ہاں آئی تھیں۔ یہاں انہیں اطلاع ملی آپ کی شادی ہوگئی ہے۔ بلکہ شادی ہوئے کئی ماہ گزر گئے ہیں۔ اسفندیار کی شکل میں نہیں بھول پارہی ہوں۔ ایسا محسوس ہورہا تھا جیسے وہ کوئی قیمتی خزانہ کھو بیٹھے ہوں۔"

وہ بے تاثر انداز میں جوس پیتی رہی۔ اسفندیار خان بابا کے اسکول کے پرنسپل کا بیٹا تھا۔ خوبرو ذہین اور بہت بے پرواہ و شوخ فطرت کا مالک لڑکا تھا۔ اس سے اس کی ملاقات کالج سے واپسی پر ہوئی تھی۔ وہ مئی کا مہینہ تھا۔ اس دن کالج سے واپسی پر بہت دیر ہوگئی تھی بس اسٹاپ پر ویگن دیر سے ملنے کی وجہ سے۔ وہ اسٹاپ پر اتر کر گھر کی طرف بڑھنے لگیں۔ گھر اسٹاپ سے خاصہ دور تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ ایک وائٹ شیراڈ اسٹاپ سے ان کے پیچھے آرہی ہے۔ پہلے تو اس نے وہم سمجھا اپنا۔ مگر پھر کئی گلیاں عبور کرنے کے بعد بھی وہ کار ان کے پیچھے رہی تو وہ جو صدا کی بزدل اور ڈرپوک تھی بری طرح ڈر گئی۔ دوپہر کا وقت تھا چلچلاتی دھوپ سے بچنے کے لیے سب لوگ اپنے اپنے گھروں میں کھڑکیاں دروازے بند کیے بیٹھے تھے اور یہ علاقہ تھا بھی ذرا از حد سنسان دونوں اطراف کوٹھیاں بنی ہوئی تھیں جن کے خاموش و گرمی سے شیشے لازور ویران نظر آرہے تھے۔ گرمی بھوک اور شدید پیاس سے پہلے ہی برا حال تھا اب اس نئی آفت نے اسے اور بوکھلا ڈالا تھا۔ اس خدشے کا اظہار اس نے ساتھ چلتی روزینہ سے کیا تو وہ جو اس سے بھی زیادہ بزدل و کم حوصلہ تھی بری طرح خوف زدہ ہوگئی۔ کار کو تعاقب کرتے ہوئے وہ بھی دیکھ رہی تھی۔

"میں نے بھی یہی محسوس کیا ہے۔ یہ ہمارا پیچھا کررہا ہے۔ اگر اس نے ہمیں اغوا کرنا چاہا تو ہم کو بچانے کے لیے کوئی بھی نہیں آئے گا اس سنسان و بھری گرمی میں۔" وہ کانپتے ہوئے بولی۔

"واہ خواہ مخواہ اغوا کرلے گا؟ اس کے باپ کا مال ہیں ہم۔" "خاموش چلتی" فریدہ زور سے بولی۔

"پلیز! آہستہ بات کرو وہ سن لے گا۔" وہ دونوں سٹپٹا کر گویا ہوئیں۔

"حد ہوگئی بے وقوفی کی۔ ایک چوہا سا لڑکا ہم کو اغوا کرے گا۔" فریدہ نے رکتے ہوئے کہا۔ اور قبل اس کے کہ وہ اس کا ارادہ بھانپتیں وہ آگے بڑھ کر اس کو کار روکنے کا اشارہ کرچکی تھی۔ فریدہ ان کے گروپ میں واحد لڑکی تھی جو ہمت بہادر دلیر اور حد درجہ لڑاکی تھی۔ کالج میں کچھ زور آور لڑکیوں سے ریسلنگ بھی لڑ چکی تھی جس پر اسے "مولاجٹ" کا خطاب اعزازی طور پر دیا گیا تھا۔ جو اس نے خوشی قبول کیا تھا۔ پھر کسی سرپھری لڑکی کو اس سے الجھنے کی جرأت نہ ہوئی۔

"اے مسٹر! ہمارا پیچھا کیوں کررہے ہو؟" وہ کار رکتے ہی کھڑکی سے جھک کر گویا ہوئی۔

"جی۔۔۔ آاؤ؟" وہ بندہ خاصا سراسیمہ ہوکر استفسار کرنے لگا۔

"ایک تو لڑکے نہ معلوم کن مرے ہوئے انگریزوں کے کپڑے پہن کر سمجھتے ہیں جیسے ان مرے ہوئے انگریزوں کی روح بھی کپڑوں کے ساتھ ان سے چپک گئی ہو۔ منہ ٹیڑھا کرکے ایسے انگلش بولتے ہیں جیسے جمائی لیتے وقت ان کے منہ پر فالج گر گیا ہو۔"

"محترمہ! آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔" اس کی نگاہ دم بھر کو گرمی کی شدت سے سفید دوپٹے کی اوٹ سے جھلکتے سرخ انار چہرے پر رکی تھیں۔ مضبوط لہجے میں وہ وضاحت کررہا تھا۔

"غلط فہمی ہمیں نہیں۔۔۔ تمہیں ہوئی ہے۔ تم ہمیں ایسی ویسی لڑکیاں سمجھ رہے تھے؟"

"فریدہ! چھوڑو نا پلیز جانے دو اگر کوئی ادھر آنکلا تو ہماری پوزیشن مشکوک ہوجائے گی۔" اریبہ نے فریدہ کو اپنے مخصوص مولاجٹ ٹائپ کے موڈ میں آتے دیکھ کر گھبرا کر گویا ہوئی۔

"کیوں چھوڑ دوں؟ اس دم کٹے بندر کو ایسا مزہ چکھاؤں گی کہ کبھی پھر تمہارا لڑکیوں کو دیکھ کر پیچھا کرنے کی کوشش نہیں کرے گا۔" فریدہ نے کتابیں اسے تھماتے ہوئے خون خوار لہجے میں کہا۔

"آپ خاصے معقول اور مہذب لگ رہے ہیں۔ اچھے لوگوں کا یہ شیوہ نہیں ہوتا۔ اگر آپ میں معمولی سی بھی شرافت کی رمق باقی ہے تو پلیز! آپ یہاں سے چلے جائیے۔" اریبہ اس نوجوان سے عاجزی سے مخاطب ہوئی۔ جو فریدہ کے ریمارکس پر طیش میں آگیا تھا۔ لیکن اریبہ کی ٹھنڈے و نرم عاجزی بھرے

For more visit (exponovels.com)

بیے کا اثر تھا کہ وہ ایک گہری نظر اس پر ڈال کر آگے بڑھ گیا۔

مگر اریبہ نے ہاتھ منہ دھونے کے بعد کھانا کھایا۔ کھانے سے فارغ ہوئی تو اماں نے سرخ شربت سے بھرے جگ گلاس کی ٹرے اسے پکڑائی کہ اندر بابا کو دے آئے کیوں کہ گھر میں اس وقت اس کے علاوہ کوئی اور نہیں تھا۔ اماں بابا کے ملنے والوں کے سامنے جاتے ہوئے جھجکتی تھیں۔

وہ ٹرے تھامے اندر آئی تو بابا نیچے چاندنی پر گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے اپنے مہمان سے محو گفتگو تھے۔ اسے دیکھ کر شفقت سے مسکرائے اور ساتھ ہی شربت گلاسوں میں ڈال کر سرو کرنے کا اشارہ کیا۔

"راستے میں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی بیٹا! ہمارے گھر کا راستہ اسٹاپ سے خاصا دور اور ٹیڑھا میڑھا سا ہے۔ کئی چھوٹی بڑی گلیاں عبور کرنی پڑتی ہیں۔" بابا کے لہجے میں شفقت بھی تھی اور کچھ اپنی غربت اور کم مائیگی کا احساس بھی جو شاید مہمان نے تو محسوس نہیں کیا مگر اریبہ نے پوری طرح محسوس کیا تھا۔

"لیجیے۔" اس نے گلاس اس کی طرف بڑھا کر آہستگی سے کہا۔

"تھینکس!" مقابل کی نگاہیں میکانکی انداز میں اٹھی تھیں۔ لمحے بھر کو ان میں تحیر جاگا تھا۔ پھر فوراً ہی اس کی جگہ شوق و مسرت نے لے لی تھی۔

"یہ میری بہت لاڈلی اور ہونہار بیٹی ہے اریبہ! اریبہ بیٹی! یہ اسفند یار خان ہیں۔ ہمارے پرنسپل صاحب کے بیٹے ہیں۔ ساؤتھ افریقہ سے تعلیم حاصل کر کے لوٹے ہیں۔ اردو ان کی کمزور ہے۔ اسفند بیٹا مجھ سے اردو پڑھنے آئیں گے۔" بابا نے مکمل تعارف کرایا تھا۔

"آداب!" اس نے نہایت احترام سے کھڑے ہو کر غالباً "آداب" کہا تھا۔ وہ جو اسے پہچان کر اور یہاں پر اتنا دیکھ کر اپنی سوچ پر شرمندہ تھی کہ وہ اس کا پیچھا نہیں کر رہا تھا بلکہ اس کی منزل مقصود یہی تھی۔ اس کے ادب کہنے پر بے ساختہ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر مچلی تھی۔

"سر! راستہ تو آپ کے گھر کا کوئی مشکل نہیں۔ لیکن لوگ کچھ ٹیڑھے مل گئے تھے۔" وہ کن انکھیوں سے انگوری کلر کے دوپٹے سے سجا چمکتے اریبہ کے کھلے کھلے چہرے کو دیکھتا ہوا معنی خیز لہجے میں گویا ہوا۔ اریبہ گھبراہٹ کے وہاں سے نکل گئی کہ وہ ابھی اس کی احمقانہ پن کی پول کھول دے گا۔ بابا کو کتنا افسوس ہوگا اس کی بے وقوفی پر۔ لیکن وہ بابا کی طرف سے خوفزدہ رہی انہوں نے کچھ نہ کہا۔ شاید اس نے وہ بات نہیں بتائی تھی۔ وہ روزانہ اسی وقت آتا تھا اور شام کو واپس چلا جاتا۔ اکثر اس سے سامنا ہوتا تھا۔ بات سلام سے آگے نہیں بڑھی تھی۔ اس کی از حد محتاط سنجیدہ اور لیے دیے رہنے والے انداز نے اسے جرأت نہ بخشی کہ آج جو انکشاف فرمانے کیا تھا وہ اسے کچھ دیر کے لیے ماضی کی گزری ساعتوں میں کھو گئی۔

♣ —— ✱ —— ♣

خلاف توقع ڈرائیور اس مرتبہ اسے ایک ہفتے بعد ہی لینے آ پہنچا تھا۔ اماں، بابا اور بہنوں نے اسے خوشی خوشی رخصت کیا تھا۔ جب کہ شاہ زیب خاصا افسردہ ملول دکھائی دے رہا تھا۔

"بجو! آپ انسان ہیں۔ اپنے حقوق اور اپنی قدر پہچانیں۔ آج کل صابر اور درگزر سے کام لینے والے لوگ، صبر و استقامت، ہمت و استقلال کی تصویریں بن جاتے ہیں۔ لیکن تصویروں کو حقوق نہیں دیے جاتے جو لوگ قربانی دیتے ہیں۔ ان سے ہمیشہ یہی توقع کی جاتی ہے کہ وہ قربانی دیتے رہیں۔ اور ایک دن قربانی دینے والا، خود ہی خاموشی سے قربان ہو جاتا ہے۔ جس کا لوگوں کو مروت و لحاظ نہ ہوتا ہے بلکہ احساس بھی نہیں ہوتا۔ اور میں نہیں چاہوں گا میری پیاری سی بجو جو بہت خوب صورت دل اور وسیع ذہن رکھتی ہیں، اتنی خاموشی سے کھنڈر میں تبدیل ہو جائیں کہ چاہنے والے، چاہنے کے باوجود دوبارہ کھنڈر کو آباد نہ کر سکیں۔" وہ سنجیدگی سے مخاطب ہوا تھا۔

"شاہ زیب! میں بہت خوش ہوں۔ تم واہموں میں الجھ رہے ہو۔" وہ چادر اوڑھتی ہوئی اس سے محبت سے بولی۔ ہاں بجھی بجھی سی اس کی آنکھوں میں بجھے بجھے رنگ تھے جن کو اپنی خاموشی کی از حد محبت کے پردے میں مستور کر دیا کرتی تھیں۔ مگر وہ سمجھتا تھا ایسی باتوں سے بے بہرہ تو نہ تھا وہ کہہ دینے کی عادی [illegible] کی مسرتوں اور گھریلو حالات پر [illegible] نظر تھی۔ وہ اکلوتا تھا اور شاید اس کے اندر بھائی ہونے کا بھرپور احساس و ذمے داری بے دار تھی۔

"بجو! یہ گھر آپ کا ہے اور آپ کا رہے گا۔ یہاں کے دروازے آپ کے لیے ہمیشہ کھلے رہیں گے مگر آپ اس شخص کے ہاتھوں محض کٹھ پتلی نہ بنیں کہ ان کا دل چاہا آپ کو دور کر دیا، موڈ ہوا تو دور کھینچ لی۔ شادی تو نفسی نفسی کے پار نثر ہوتے ہیں جہاں میاں بیوی کو ہی تمام حقوق حاصل نہیں صرف شوہر کو۔ لیکن آپ نے اپنی ذات کی بالکل نفی کر دی ہے۔ کیوں ان کے دباؤ میں آتی ہیں آپ۔؟ وہ آپ کو لوگوں کی موجودگی میں عزت سے اپنا کر لے گئے تھے۔ پھر آپ کیوں ان کے رویوں کی شکایت نہیں کرتیں کیا چاہتے ہیں وہ؟ خود اسی شہر میں، اسی گھر میں رہنے کے باوجود کیوں آپ کو گھر سے بے دخل کرتے ہیں؟ نہ رات کا احساس ہے انہیں نہ صبح سویرے کی۔ صرف ایک ناقابل برداشت بوجھ کی طرح آپ کو پھینک دیتے ہیں۔" کئی ماہ کا بھرا ہوا غبار آج وہ نکال بیٹھا تھا۔ بہن کا یوں بار بار موقع بے موقع چلے آنا لوگوں کا معنی خیز لہجے استفسارات اور جواب میں اس کا اور اماں کا "آئیں، بائیں، شائیں" جوابات دینے وہ سب محسوس کرتا تھا۔ اس احساس کو سویرا کے خوش گوار و قابل رشک حالات نے مزید جلا بخشی تھی جو شادی کے بعد بہت کم گھر آئی تھی۔ جب بھی اپنے شوہر کے ہمراہ ہنستی مسکراتی، سچی مسرتیں اور شادمانی اس کے انگ انگ سے چھلکتی تھی۔

"شاہ زیب! باؤلا ہوا ہے کیا۔؟ بہن سے کس طرح کی باتیں کر رہا ہے؟" اماں نے اس کا بیگ اٹھا کر [illegible] دیکھ کر آگے بڑھ کر اسے [illegible] تھا۔

"اماں! افسوس ہے۔ اس طرح کی باتیں آپ کو بتانی چاہئیں جو میں بتا رہا ہوں۔ [illegible] اگر وہ شخص آپ اور بجو کو [illegible] کی پروا نہیں کرنی چاہیے۔ میں سارا دن [illegible] بابا کی طرح خاموشی سے [illegible] نہیں [illegible] سکتا۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر [illegible] تھا۔

"شاہ زیب! جس بہن کو تم جیسا بھائی ملا ہو وہ کبھی دکھی رہ سکتی ہے بھلا۔ اماں اور بابا کو کیوں دوش دیں ہم؟ نصیب ہم خود لکھوا کر آتے ہیں۔ ماں باپ اولاد کے لیے ہمیشہ اچھا سوچتے ہیں۔" نوجوان بھائی کی حساسیت و محبت نے اسے نئے ایک احساس سے روشناس کروایا تھا۔

یسریٰ پیلس ہمیشہ کی طرح بھائیں بھائیں کر رہا تھا۔ اس کا استقبال وہاں کی مخصوص خاموشی و سناٹے نے کیا۔ یسریٰ کی کلر ہنستی مسکراتی تصویریں بھی اسے اب گونگی بہری لگنے لگی تھیں۔ وہاں آراستہ کی گئیں بیش قیمت نوادرات، فرنیچر، پردوں، قالین کی طرح خوب صورت مگر بے جان سامان کا ایک حصہ لگنے لگی تھیں۔ ملازموں نے اسے سلام و خیریت سے نوازا تھا۔

"شاداں! بیگم صاحبہ کب گئی ہیں؟" اس نے چائے لائی ملازمہ سے یسریٰ کی بہن کے متعلق دریافت کیا۔

"وہ جی وہ دن پہلے چلی گئی تھیں۔ کل رات بڑی بی بی کا فون آیا تھا۔ صاحب گھر پر نہیں تھے۔ میں نے بات کی تھی، وہ آپ کے متعلق پوچھ رہی تھیں۔ میں نے کہہ دیا بیگم صاحبہ گئی ہوئی ہیں ایک ہفتے سے اپنے میکے اور صاحب گھر پر نہیں ہیں۔ وہ بہت غصے میں تھیں۔"

For more visit (exponovels.com)

Page 12

صاحب رات کو گھر آئے تو میں نے کہہ دیا۔ انہوں نے رات کو ہی بڑی بی بی کو فون کیا تو معلوم نہیں کیا باتیں ہوئیں؟ بس صاحب نے اسی وقت نور محمد کو کہہ دیا کہ وہ آپ کو صبح جا کر لے آئے۔ نور محمد تو فجری نماز پڑھتے ہی آپ کو لینے جا رہا تھا میں نے روکا کہ اتنی صبح نہیں دس بجے جائیو۔" ملازمہ نے چائے کی ساسر اور کپ اسے پکڑاتے ہوئے تفصیل بیان کی۔

"تو وہ گویا آپی کے حکم پر اسے بلوایا گیا تھا۔" اس نے چائے کا سپ لیتے ہوئے سوچا۔

"دوپہر کے کھانے میں کیا بنے گا؟ ان کچن کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔ شیف کو صاحب نے نکال دیا ہے۔"

"کیوں؟ کھانے تو اچھے بناتا تھا وہ۔" وہ حیرانگی سے استفسار کرنے لگی۔

"وہ جی! پرسوں اس سے کارنر پر رکھی یسریٰ بیگم صاحبہ کی فوٹو گر کر ٹوٹ گئی اس نے کانچ اور فوٹو اٹھا کر ڈسٹ بن میں پھینک دیا۔ صاحب شاید آتے ہی سب تصویروں کو دیکھتے ہیں۔ انہوں نے کارنر سے غائب فوٹو کے بارے میں پوچھا ہم سب سے لیکن ہمیں تو معلوم ہی نہ تھا۔ کیا بتاتے شیف بھی مکر گیا کہ اسے نہیں معلوم، لیکن اس کی شامت آئی تھی جو اس نے جھوٹ بولا۔ سچ بول دیتا تو نوکری سے ہاتھ نہ دھونے پڑتے۔ اس کو میرے بچے فوٹو ڈسٹ بن میں ڈالتے دیکھ چکے تھے۔ چھوٹے نے فوراً صاحب کو بتا دیا۔ پھر ڈسٹ بن سے فوٹو کے پھٹے ہوئے ٹکڑے مل گئے، وہ ٹکڑے صاحب نے کوٹ کی جیب میں رکھ کر اس کی ہمیشہ کے لیے چھٹی کر دی۔"

"دوپہر کو ہلکی پھلکی سی کوئی ڈش بنالو۔" اسے ہدایت دے کر وہ اپنے کمرے میں آگئی۔ صاف ستھرا کمرہ اپنے مالک کے مزاج کی طرح سپاٹ اور سرد تھا۔ اس کی موجودگی و غیر موجودگی گویا وہاں کوئی اثر انداز نہ ہوتی تھی اور ہوتی بھی کیوں؟ وہاں موجود خوب صورت و بے جان چیزوں کی طرح ہی تو حیثیت تھی۔ سپاٹ، بے حس و خاموش فرق تھا تو صرف یہ تھا کہ وہ چلتی پھرتی، کھاتی پیتی تھی۔ پہلے محرکات اسے ان بے جان چیزوں سے لاتعلق ظاہر کرتے تھے ورنہ اس کے مزاج کی خاموشی و چہرے کے بے تاثر کیفیت ان چیزوں کی طرح تھی۔ اس نے ہاتھ میں پکڑا بیگ بیڈ پر رکھا اور اس میں سے کپڑے نکال کر وارڈ روب میں ترتیب سے رکھنے لگی۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ بیڈ کور تبدیل کرنے لگی۔ کچھوے کی رفتار سے گزرتا دن شب کی تاریکی میں تبدیل ہو چکا تھا۔ وہ اپنے بیڈ روم میں عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر لیٹ گئی۔ اسود حماد کی آمد کا ابھی تک وقت نہ ہوا تھا۔ وہ میگزین پڑھ کر وقت گزارنے لگی اور مطالعہ کرتے کرتے کسی پہر اس کی آنکھ لگ گئی اور پھر اس کی آنکھیں کسی غیر معمولی احساس سے کھلی تھیں۔ اسود دھیرے دھیرے کچھ گنگنا رہا تھا۔ اس کی آواز خاصی بلند تھی۔ اس نے نیند سے بھری آنکھیں رگڑ کر دیکھا اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھوں اور چہرے پر حیرانگی تاسف اور خوف کے سائے ابھر آئے تھے۔

"یسریٰ! مائی ڈارلنگ! مائی سوئیٹ ہارٹ! آئم آن۔" وہ اس وقت مکمل طور پر خود سے بے خبر تھا۔ قدموں کی لڑکھڑاہٹ آنکھوں کی سرخی و مدہوش انداز نے اسے متوحش کر ڈالا تھا۔ وہ دوپٹا سنبھالتی ہوئی ہراساں اٹھ کھڑی ہوئی۔

"یسریٰ آئم آن۔
مائی ڈارلنگ۔
مائی لائف۔"

اس نے آگے بڑھ کر اسے تھاما تھا۔ اریبہ نے اس کی گرفت سے نکلنے کی بھرپور کوشش کی۔ اسے باور کروانا چاہا کہ وہ یسریٰ نہیں ہے۔ مگر وہ عقل و شعور کی سرحدوں سے دور نکل گیا تھا۔ اس کے مضبوط بازوؤں کی گرفت میں اریبہ کی تمام مزاحمت دم توڑ گئی تھی۔

صبح اس کے بے دار ہونے سے قبل ہی وہ بغیر ناشتا کیے روانہ ہو گیا اور وہ بھی کسل مندی و عجیب سی کیفیت کا شکار ہوئی۔ سارا دن بیڈ پر پڑی رہی۔ اسود نے اسے بیوی کے حقوق اول دن سے نہیں دیے

تھے۔ اس نے پروا نہیں کی تھی اب اسے ملے بھی تو تخیل میں گرے ان سکوں کی طرح جو کسی کی جھولی کے گمان میں۔ اس کے دامن میں آگرے تھے۔ اس کی خود دار اور حساس طبیعت پر اس کی "بے خودی" تازیانہ بن کر لگی تھی۔

شام کے سائے گہرے ہونے لگے تو وہ چلا گیا۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی بال بنا رہی تھی۔ اسے اچانک دیکھ کر اس کا دل بے اختیار دھڑک اٹھا تھا۔

"سنو۔" اس کی گمبھیر و الجھن ظاہر کرتی ہوئی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تھی۔ لیکن وہ کوشش کے باوجود "جی" نہ کہہ سکی۔ پلکوں پر منوں بوجھ پڑ گیا تھا گویا اور زبان نے بھی آنکھوں کی طرح اٹھنے سے انکار کر دیا تھا۔

"آپ! کچھ دنوں کے لیے اپنی امی کے ہاں چلی جائیں، یسریٰ کے بھائی اور بھابی چند دنوں کے لیے یہاں آ رہے ہیں۔ وہ یسریٰ کی جگہ آپ کو برداشت نہ کر پائیں گے۔ اس کا پرانا مطالبہ تھا۔ لہجہ اتنا سفاک گویا وہ اس کے جذبات و انا مجروح کرنا اپنا فرض اولین تصور کرتا ہو۔ "گزرے لمحوں کا کوئی عکس اس کے انداز سے ظاہر نہ تھا۔

"میں انسان ہوں۔ آپ نے مجھے کیا سمجھ رکھا ہے؟" وہ بات کے احساس سے تپ اٹھی۔

"میں فضول بکواس سننے کا عادی نہیں ہوں۔ جو کہا جائے وہ کرو۔"

"میں بکواس نہیں کر رہی، اگر آپ کو ابھی بھی یسریٰ اس کے فیملی ممبرز سے اتنا گہرا لگاؤ ہے تو کیوں آپ نے شادی کی؟ اپنے ساتھ میری زندگی بھی جہنم بنا ڈالی ہے آپ نے۔" اتنے ماہ کا گھٹا گھٹا ہوا لاوا اس کے تضحیک آمیز انداز سے بہہ نکلا تھا۔

"تم میری چوائس نہیں ہو اور نہ ہی میری ضرورت، آپی کے چاہنے سے ہوا ہے یہ سب۔"

"اسود حماد صاحب! آپ مرد ہیں جس کو کسی مجبوری یا دباؤ کے تحت نہ جکڑا جا سکتا ہے اور نہ ہی جسے مصلحت پسندی و ضرورت کے تحت شکار ہونا پڑتا ہے۔ ان عذابوں سے ہم جیسی لڑکیاں گزرتی ہیں۔ اور بعض اوقات مجبوری و ضرورت اس حد تک بڑھ جاتی ہے کہ جان بوجھ کر کھائی میں چھلانگ لگانی پڑتی ہے۔"

"بہرحال میں عورت اور مرد کی خوش بختی اور بدبختی پر تبادلہ خیال کرنے نہیں آیا۔ میں ذرا پہلے سے کہہ رہا ہوں۔" وہ حتمی انداز میں بات ختم کر کے جانے لگا۔

"میں کہیں نہیں جاؤں گی یہ فیصلہ ہے میرا۔" شاہ زیب کی باتیں اس کے دل کو لگی تھیں۔ وہ حقیقت میں کٹھ پتلی بن کر رہ گئی تھی جس کی ڈور اسود کے ہاتھ میں تھی کل ہی اس کی واپسی ہوئی تھی اور آج پھر روانگی خالہ جان کی کھوجتی نگاہیں، تجسس و تحیر سے دراز ہوتی زبان، شاہ زیب کی افسردگی، اماں بابا کی بھرپور شفقت و محبت کے باوجود تفکرات سے بھرپور چہرے اور وہ بھی اب جھوٹ بول بول کر تنگ آچکی تھی۔

"میں نے سنا تھا مڈل کلاس میں بیٹیوں کے معاملے میں ماں باپ بہت ٹچی ہوتے ہیں۔ پھر کیا بات ہے؟ وہ آپ کو رکھنا گوارہ نہیں کرتے؟ آپ کے لیے گنجائش نہیں۔ ہے وہاں پر؟" وہ طنز آمیز لہجے میں اس سے گویا ہوا۔

"ماں باپ کے دل اولاد کے لیے اتنے وسیع ہوتے ہیں کہ اس کی وسعت و کشادگی کے مقابل یہ دنیا بہت چھوٹی و حقیر محسوس ہوتی ہے اور ہم جیسی کلاس کے والدین تو خصوصاً بیٹیوں کے لیے از حد بلکہ لامحدود وسعت و کشادگی رکھتے ہیں۔"

وہ آج اپنی انا و برداشت کو کچل کر اپنے حقوق کی پاسداری کے لیے کمربستہ ہو گئی تھی۔

"پھر کیوں آپ اس قدر بحث کر رہی ہیں؟ کچھ عرصہ آپ وہاں گزار کر آجائیں۔ مہمان چلے جائیں گے میں آپ کو بلوا لوں گا۔" وہ از حد زچ ہو چکا تھا۔

"آپ نے شیف کو نکال دیا ہے۔"

"یہ گھر میرا ہے اور میری مرضی جو چاہوں کروں، میں کسی کو بھی یہ اجازت نہیں دوں گا میرے معاملات میں مداخلت کی اور تم شاید خوش فہمی میں مبتلا ہو گئی

For more visit (exponovels.com)

ہو۔ لیکن میں حواسوں میں نہیں تھا اس لیے کسی خوش فہمی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ شدید اشتعال میں اس کی رگ رگ زخمی کر چکا تھا۔ اور وہ جو پہلے ہی ایک کرب سے گزر رہی تھی اس کے ترش و سرد مہر رویے نے اسے پامال ہونے کا بھرپور احساس دلا تھا۔ اس کے اندر آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔

"نور تم سے کال آئی کہ وہ لوگ نہیں آ رہے۔" کسی ناگزیر وجہ کی بنا پر ان کا یہاں آنے کا پروگرام کینسل ہو گیا تھا۔ وہ گھر پر نہیں گئی لیکن اسود کی بے حسی و اشتعال انگیزی نے جو کبیدگی و کدورت کو درمیان میں راستہ دیا تھا۔ اس نے ان کے درمیان مزید فاصلے بڑھا دیے تھے۔ صبح ناشتا وہ ساتھ کرتے تھے۔ بالکل گونگے بہروں کی طرح بلکہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے سے بھی اجتناب برتتے تھے۔ اریبہ فرض شناس و باوفا بیوی کی طرح اس کی عام ضروریات کا پوری طرح خیال رکھتی تھی۔ اسے اپنی ہر چیز تیار ٹھکانے پر ملتی تھی۔ اریبہ نے زیب آپی کے کمرے میں رہنا شروع کر دیا تھا۔ وہ اسود کو باور کروانا چاہتی تھی کہ وہ کسی "خوش فہمی" میں مبتلا رہنا پسند نہیں کرتی اور نہ ہی خواہش رکھتی ہے۔

"بیگم صاحب! کوئی شاہ زیب صاحب آئے ہیں۔" وہ شام کی چائے پی کر فارغ ہوئی تھی۔ شاداں نے آ کر اطلاع دی تو وہ فوراً کھڑی ہو گئی۔

"شاہ زیب؟ اوہ! بلاؤ اسے یہیں لے کر آؤ۔" پہلی بار گھر سے کوئی یہاں آیا تھا۔ بے حد خوشی و انبساط سے اس کے چہرے پر رنگی محبت، بے کھوٹ چاہت کے دل کش رنگ بکھر گئے تھے۔ اس نے سرعت سے بکھرے بالوں کا سادہ جوڑا بنایا۔ اپنے لباس کا جائزہ لیا تو لمحے بھر اپنا شکن زدہ لباس دیکھ کر اسے شرمندگی ہوئی تھی۔ پچھلے دو دن سے اس نے لباس تبدیل نہیں کیا تھا اور اتنا وقت بھی نہیں تھا لباس بدلنے کے لیے کمرے میں جاتی۔ اس نے سبز و سرخ امتزاج کے خوب صورت کڑھت والا لباس کے ہم رنگ بڑا دوپٹا اس طرح اوڑھا کہ لباس کی شکنیں نظر نہیں آ رہی تھیں۔ وہ بھائی کی زیرک و حساس نگاہوں سے لاشعوری طور پر خوف زدہ تھی اس لیے اسے مطمئن و خوش نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"السلام علیکم بجو!" شاہ زیب نے ہاتھ میں پکڑے شاپر کو اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بشاش لہجے میں سلام کیا تھا۔

"یہ کیا ہے؟" وہ سلام کا جواب دیتی ہوئی شاپر ہاتھ میں پکڑتے ہوئے حیرانگی سے استفسار کرنے لگی جس پر مشہور سوئیٹس کارنر کا نام تھا۔ وہ شاپر خاصا وزنی تھا۔

"صبح سویرا باجی کے بیٹا ہوا ہے۔ ان کی ساس نے مٹھائی بھیجی ہے۔ عادل بھائی خود آنا چاہ رہے تھے مگر اچانک ہی اسپتال سے ان کی کال آ گئی کوئی ایمرجنسی کیس آ گیا تھا۔ وہ اسپتال چلے گئے، معذرت کر رہے تھے۔" وہ بھانجے کی آمد پر بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ سویرا کے شوہر عادل سے اس کی خوب بنتی تھی۔

"اللہ کا شکر ہے۔ مبارک ہو تمہیں ماموں بن گئے۔" وہ مسرت سے کھل اٹھی تھی۔ سویرا سے اس کی بے حد گہری دوستی بھی تھی۔ اس کے ہاں پہلی خوشی نے اسے بھی خوش کر دیا تھا۔

"آپ کو بھی مبارک ہو بجو! آپ بھی تو خالہ جان بن گئی ہیں۔" اس کی نگاہیں یہاں وہاں آویزاں اسریٰ کی تصویروں پر تھیں۔ اس کے مسکراتے طمانیت سے بھرپور چہرے پر آہستگی سے سنجیدگی چھانے لگی تھی۔ اس نے جو کھوجتی نگاہیں اس کی طرف مرکوز کی تھیں جیسے پوچھ رہا ہو "آپ کی موجودگی میں ان بے شمار تصاویر کا کیا جواز ہے؟ یا اس کی تصویر وہاں کیوں نہیں ہے؟"

"چائے کے ساتھ کیا لوگے؟" اس نے اس کی سوالیہ نگاہوں کو نظرانداز کرتے ہوئے پوچھا۔ قبل اس کے کہ وہ جواب دیتا بریف کیس ہاتھ میں لیے تھکا تھکا اسود اندر داخل ہوا۔ اس نے آگے بڑھ کر محبوب بیوی کی طرح اس کے ہاتھ سے بریف کیس لیا۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے روز کا اس کا یہ معمول رہا ہو اور دونوں میں بے حد محبت ہے۔ اسود نے بغور اس کے اس جاں نثار انداز میں ٹھٹکا تھا۔ پھر نارمل ہو کر شاہ زیب سے ہاتھ

ملانے لگا۔ اس کا انداز بے تاثر تھا۔ اس کے ذہن میں ابھی سسرال کے افراد کا کوئی تعارف ذہن میں نہیں تھا۔ باہر شاداں نے آگاہ کر دیا تھا کہ بیگم صاحب کے بھائی آئے ہیں۔ یہاں اریبہ نے اس کا اس سے تعارف کروایا تھا۔

"شاہ زیب کو آپ بہترین سی چائے پلوائیں۔" وہ کہہ کر ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتا ہوا اوپر سیڑھیاں عبور کر کے غائب ہو گیا۔ بلیک تھری پیس سوٹ میں ملبوس اپنے بڑے بہنوئی کی وجاہت و اسمارٹنس کا وہ قائل ہو گیا تھا۔ ان کی دولت و ثروت سے وہ پہلے ہی متعارف تھا۔ لوگوں کی نگاہوں میں اس کی بہن خوش قسمت ترین لڑکی تھی جو جھونپڑی سے محل میں آ گئی تھی اور جسے شوہر بھی شہزادے جیسا ملا تھا مگر خوب صورت اور ہینڈسم بہنوئی کے بے تاثر و اجنبی انداز سے اس نے اپنی بہن کے حالات کا اندازہ بخوبی لگا لیا تھا۔ شوہر بیوی سے محبت کرتا ہے، اسے اہمیت دیتا ہے تو اس سے وابستہ رشتوں کا بھی احترام کرتا ہے ان سے اپنائیت و محبت سے ملتا ہے۔ عادل اسود کا ہم عمر تھا۔ دولت و وجاہت میں اس سے پیچھے تھا مگر اخلاق و محبت، خوب سیرتی میں اس سے لاکھ درجے بہتر تھا۔ سب کی عزت کرتا اور اس سے تو وہ بے حد محبت کرتا تھا۔ کیوں کہ وہ بالکل اکلوتا تھا۔ اسے بھائی کی طرح ٹریٹ کرتا۔

"تم نے بتایا نہیں چائے کے ساتھ کیا لوگے؟" اسے امید نہیں تھی اسود اس قدر بے مروتی والا تعلق کا اظہار کریں گے۔ ہاتھ ملانے کے علاوہ اس نے ایک لفظ کوئی رسماً بھی اس سے نہ کہا تھا۔ چائے کا کہہ کر چلا گیا تھا۔ بھائی کے بدلتے رنگ اس کی خفگی نہ رو سکے تھے۔ اس نے مسکراتے ہوئے اسود کے انداز کو نظرانداز کر کے اس سے پوچھا۔

"میں کچھ نہیں لوں گا۔ عادل بھائی کے ساتھ ایک ریسٹورنٹ میں چائے پی تھی اور برگر کھایا تھا۔ اب بالکل گنجائش نہیں ہے۔ گھر جاؤں گا، اماں باجی کے پاس رکیں گی آج رات۔ آپ کب آئیں گی؟" وہ فوراً جانے کے لیے تیار ہو گیا۔

"میں اسود سے معلوم کرتی ہوں۔ ان کے پاس ٹائم ہوا تو ہم ابھی ہی چلے جائیں گے۔ نہیں تو پھر کل ضرور جاؤں گی۔ تم ابھی کہاں جا رہے ہو؟ بیٹھو اسود ابھی ڈریس چینج کر کے آ رہے ہیں۔ وہ خفا ہوں گے تمہارے اس طرح جانے پر۔"

اس نے صبر و برداشت کا دامن مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔

"سوری بجو! آپ ان سے معذرت کر لیجیے گا میں بہت جلدی میں ہوں۔ یہ میں نے آپ کے لیے لیے تھے۔" وہ جیب سے موتیے کے پھولوں اور کلیوں سے بنے گجرے اور کنگن اس کو تھما کر چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی وہ تمام ضبط کے بندھن توڑ بیٹھی۔

"بیگم صاحب! آپ کے بھائی چلے گئے؟ میں نے تو بہت اہتمام سے چائے کے ساتھ کی لوازمات تیار کیے تھے۔ پہلی بار تو کوئی بندہ آپ کے میکے سے آیا تھا۔"

"شاداں! چائے لے جا کر اپنے صاحب کو پلاؤ۔ مہمانوں کی تواضع اخلاق و ملنساری سے کی جاتی ہے۔ محبت، خلوص، مروت سے بڑھ کر کسی چیز کو کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے۔ کھانے پینے کی اشیاء لوگ اپنے گھروں میں روز استعمال کرتے ہیں۔"

بھائی کی توہین کا احساس اس وقت اس پر اس بری طرح حاوی تھا کہ وہ یہ نہ سوچ سکی کہ ملازمہ سے کیا کہہ رہی ہے۔ اس سے کہہ کر وہ رکی نہیں۔ آنسو صاف کرتی اس کمرے میں چلی گئی جو آج کل اس کی جائے پناہ تھی۔ ملازمہ کی سمجھ میں اس کی بات نہیں آئی تھی۔ لیکن اسے روتا دیکھ کر وہ پریشان ہو گئی تھی۔

آنسو بہا کر دل کا بوجھ ہلکا ہوا تھا۔ اندرونی اضطراب و بے چینی جیسے نمکین پانی کے ساتھ ہی بہہ گئی تھی۔ اس نے ٹھنڈے پانی سے کافی دیر تک چہرہ دھویا تھا۔ ٹھنڈا ٹھنڈا پانی جیسے اس کے اندر بھڑکتے الاؤ کو سرد کر چکا تھا۔ وہ تولیے سے چہرہ صاف کر رہی تھی اچانک دیوار گیر انٹرکام کی بیل آن ہوئی تھی۔

"شاداں کہہ رہی ہے۔ شاہ زیب چائے پیے بغیر

For more visit (exponovels.com)

چلے گئے ہیں۔ آپ رو رہی ہیں۔ خیریت تو ہے؟" لہجے میں سپاٹ پن وغیرہ چھپا نہ سکی۔

"خیریت ہے۔ سویرا کے ہاں بیٹا ہوا ہے۔ اس کے سسرال سے مٹھائی بھیجی ہے۔"

"اچھا۔" لہجہ ہنوز تھا۔ اس نے مبارکباد دینے یا دکھاوے کے لیے بھی تکلف نہ کیا تھا۔

"آپ چلیں گے؟ بچے کو دیکھنے' مبارک باد دینے؟" اس نے ازراہ اخلاق معلوم کرنا چاہا۔ اس کے تیور پہلے سے بخوبی واقف تھی۔

"میں نہ جاسکوں گا کل میں اسلام آباد جا رہا ہوں۔ یسریٰ کی بھتیجی کی برتھ ڈے ہے۔ آپ چلی جایئے گا۔" قلیل توقف کے بعد جواب آیا تھا اور ساتھ ہی انٹرکام آف ہو گیا تھا۔ وہ سر تا پا سلگ اٹھی تھی۔ اسے لگا وہ اسے چڑانے کے لیے یسریٰ کا ذکر زیادہ کرتا ہے۔

دوسرے دن وہ اسود کے جانے کے بعد گھر آگئی جہاں ہمیشہ کی طرح اس کا بھرپور طریقے سے استقبال کیا گیا تھا۔ پاپا گھر پر تھے اسے دیکھ کر بے حد مسرور ہوئے۔ کتنی دیر تک اس کے پاس بیٹھے اس کی اور اسود کی خیریت معلوم کرتے رہے۔ وہ آرام کرنے کے لیے کمرے میں چلے گئے تو وہ اماں کے قریب بیٹھ کر بے تابی سے سویرا اور اس کے نومولود کے متعلق پوچھنے لگی۔

"خدا کا شکر ہے بچی آپریشن سے بچ گئی۔ دعائیں رنگ لے آئیں۔ اب بالکل ٹھیک ہے وہ' اس کا بیٹا خاصا تندرست ہے۔ عادل اور اس کی ماں کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ ہی نہیں ہے۔ بہت خوش ہیں۔" اماں کے چہرے پر طمانیت و خوشی تھی۔ سویرا کی طرف سے انہیں بے حد فکر تھی۔ اس کی پہلی زچگی تھی اور ڈاکٹر نے آپریشن کی ڈیٹ دے دی تھی۔

"خوش کیوں نہ ہوں گے ہمارے معاشرے میں لڑکوں کی پیدائش پر خوشیاں منائی ہی جاتی ہیں۔ اگر لڑکا پہلوٹھی کا ہو تو سونے پر سہاگہ والی مثل ہوتی ہے۔" خالہ حاجرہ اس کی بو سونگھ کر فوراً ہی نازل ہوئی تھیں۔ نہ معلوم وہ اس سے کس طرح کی انسیت رکھتی تھیں۔

"پھر چلا گیا تمہارا میاں کہیں؟" ان کی سرچ لائٹس کی گھومتی لائٹس اس کے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔ وہ حسب عادت ان کے سامنے حواس کھونے لگی۔

"اسود میاں کسی دفتری کام سے اسلام آباد گئے ہیں۔ اریبہ کو بھانجے کو دیکھنے تو آنا تھا۔ ان کی غیر موجودگی میں ملازموں کے ساتھ تنہا کس طرح رکتی یہ؟" اماں کو بھی پہلی بار ان کی فضول مداخلت و تجسس برا لگا تھا۔

"اسود میاں بھانجے کو دیکھنے نہیں آئے؟" اس گھر میں ایک دفعہ ہی تو آئے ہیں وہ۔ شادی کے دوسرے ہفتے اپنی بہن کے ساتھ اریبہ بچی کو لینے آئے تھے اس وقت بھی ایسے بیٹھے تھے جیسے زبردستی لائے گئے ہوں۔ منہ پھلا کر بیٹھے تھے ایک طرف۔ نہ کسی سے بات نہ مذاق' بالکل اجنبی و بے گانے بن کر۔ اس دن سے آج تک وہ پلٹے نہیں۔"

ان کی یادداشت غضب کی تھی گزرے وقت کی ایک ایک بات انہیں ازبر ہوتی تھی۔

"بہت مصروف رہتے ہیں خالہ وہ۔" فروا نے جھٹ بہنوئی کی حمایت لی۔

"ہاں بھئی! پاکستان کی تمام ذمے داری انہوں نے ہی اٹھا رکھی ہے۔"

"اماں! کل پہلی بار شاہ زیب گھر پر گیا۔ سچ مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ بتا نہیں سکتی۔ آپ لوگ آیا کریں نا اماں۔" وہ موضوع بدلتے ہوئے مسکرا کر بولی۔

"تو مہینے میں اٹھائیس دن تو تم اس گھر میں پائی جاتی ہو۔ گھر والے تمہیں ملنے کو جب جائیں جب تم سویرا کی طرح ہفتوں میں چند گھنٹوں کے لیے آیا کرو۔" خالہ حاجرہ کی زبان چاقو و قینچی کی دھار سے بھی زیادہ کاری تھی۔

"خالہ! تمہاری مرغی کو کتا لے کر بھاگ رہا ہے۔" شاہ زیب نے اوپر چھت سے صدا لگائی۔

"ارے۔۔۔ دوڑ کر پکڑو۔" وہ بے قرار ہو کر اٹھی تھیں۔ "آپ کی مرغی کی خاطر میں یہاں سے دوڑ کر اپنی ٹانگیں تڑوالوں۔" شاہ زیب غائب ہو گیا۔

"ابھی بیٹھی تھیں تو اس نامراد کتے کی توندوں کی کم بخت کمبخت پہلے بھی دو کھا گیا ہے۔" وہ ہانپتی کانپتی لان میں غائب ہو گئی تھیں۔

"برا مت ماننا بیٹی حاجرہ کی بات کا۔ بلا سوچے سمجھے بات کرنے کی عادت ہے اسے۔" اماں اسے سمجھانے لگیں۔ وہ زبردستی مسکرا بھی نہ سکی۔

"اماں! آپ نے انہیں بہت ڈھیل دے دی ہے۔ ان کے جو منہ میں آتا ہے وہ بول دیتی ہیں۔ میں صرف آپ کی وجہ سے برداشت کرتی ہوں۔ ورنہ میں جانتی نہیں ہوں ان کی ہوشیاریاں کیا کرتی ہیں۔ پہلے اپنے گھر کے ماحول کو سدھاریں پھر دوسرے کی جاسوسی کریں۔" فروا شدید غصے میں بول رہی تھی۔

"چپ کرو۔ بڑی ہیں وہ۔ کہنے دو ہمارا کیا جاتا ہے؟ ہماری لگتی ہے تو پوچھتی ہیں۔"

"بڑی لگتی ہے؟ ہمارے سامنے چاپلوسی کرتی ہیں۔ ورنہ انہیں بہت حسد ہے ہم سے۔"

"فروا! اس طرح نہیں کہتے چندا' وہ ہماری بزرگ ہیں۔" اریبہ بے اختیار بولی۔

"بزرگ بننے کے لیے صرف عمر درکار نہیں ہوتی' بلکہ عمر سے زیادہ وسعت' دانش و مزاج میں کرنی پڑتی ہے۔ بزرگوں کے طور اطوار دیکھ کر ان کی عزت کی جاتی ہے۔ بجو کی شادی سے قبل انہوں نے پورے محلے اور رشتے داروں میں یہ بات پھیلائی تھی کہ دولت کے لالچ میں بجو کو رنڈوے مرد سے بیاہ رہی ہیں۔ اسود بھائی کو دیکھ کر لوگوں نے یقین نہیں کیا تھا کہ وہ شادی شدہ ہیں۔ اب خالہ سب کو یہ بتاتی پھرتی ہیں کہ بجو کو ان کے میاں نے قبول نہیں کیا۔ وہ زیادہ تر میکے میں رہتی ہیں۔ دولت سمیٹنے کا سارا منصوبہ دھرا رہ گیا وغیرہ وغیرہ۔" فروا جو اپنی دوستوں کی زبانی یہ سب سن چکی تھی۔ آج ماں کو خالہ حاجرہ کی حمایت لیتے دیکھ کر سب بتاتی چلی گئی۔

"لوگوں کا کیا ہے بیٹی! یوں ہی ایک سے ایک دس لگاتے ہیں۔ بات حقیقت جب ہوتی ہے اگر منہ در منہ کہی جائے۔ تو لوگ تو یونہی آپس میں لڑوا کر مزے لیتے ہیں۔" نہ معلوم اماں اتنا سادہ مزاج رکھتی تھیں یا وہ خالہ حاجرہ کے خلاف ان کے دل پر آئندہ گرہ نہیں چاہتی تھیں۔ انہوں نے اس کی ایک بات پر بھی کان نہیں دھرا تھا۔ بلکہ الٹا اسے ہی لعن طعن کی تھی کہ آئندہ اس نے اس طرح کی باتیں کیں تو وہ اس سے بولنا چھوڑ دیں گی۔ فروا کو خاموش ہونا پڑا تھا۔

"اماں! سویرا کے بیٹے کے لیے میں کوئی گفٹ لینا چاہتی ہوں' پہلے بازار چلیں گے۔" دھوپ کی تمازت ڈھلی۔ شام کی ٹھنڈک صحن میں اتری تو اریبہ نے چادر اوڑھتے ہوئے اماں سے کہا جو حسب عادت روانگی سے قبل پان کھانے میں مشغول تھیں۔

"گفٹ اپنے میاں کے ساتھ خرید کرنا۔ اس کے پیچھے سے اس کا پیسہ خراب نہیں کرو۔ میں نے پہلے ہی تمہاری طرف سے تیاری کرلی تھی۔ فروا لا رہی ہے وہ دے دینا۔"

وہ پان کے بعد چھالیہ منہ میں ڈال کر پان دان بند کرتی ہوئیں ملائمت سے گویا ہوئیں۔ اسی اثناء میں فروا دو بیگ کپڑوں' کھلونوں اور دوسری اشیاء سے لدے لے کر آگئی تھی۔

"اماں! اتنا کچھ آپ نے کیا؟ آپ کو رقم لینی ہوگی اس کی۔"

"یہ سب تمہارے باپ کی کمائی سے اور کچھ سلائی کڑھائی کی رقم سے بچا کر بنایا ہے۔ بیٹی میں نے تم پر احسان نہیں کیا۔ اس بات کا فروا اور میرے علاوہ گھر میں کسی کو معلوم نہیں ہے۔ بس تم خاموشی سے دے دینا۔ رقم کی بات مت کرو۔"

"لیکن اماں! مجھے اچھا نہیں لگ رہا اس طرح۔" اس کے لہجے میں الجھن تھی۔

"دیکھو بیٹی! تمہارا شوہر دوسرے ماحول کا پروردہ ہے۔ لوگ اسے بہکا سکتے ہیں کہ ہم اس کی دولت کے

For more visit (exponovels.com)

حصول کی خاطر کوشاں ہیں۔ دلوں کے بھیدوں کا حال تو اللہ ہی جانتا ہے بیٹی! ہمارے دلوں میں ایسا لالچ نہ اس سے رشتہ کرتے وقت تھا اور نہ اس سے رشتہ جوڑنے کے بعد آیا ہے۔ ہم نے تمہاری خوشیاں چاہی تھیں۔ ہر ماں باپ کی یہی خواہش و آرزو ہوتی ہے کہ بیٹیاں اچھے گھرانوں میں جائیں جہاں انہیں اچھے سسرالی و خوش حالی ملے۔ ورنہ ہمارے ہاں دامادوں سے لے کر کھانے کا چلن نہیں ہے۔ غریب کی غیرت و خودداری کی چادر بہت مضبوط ہوتی ہے۔ کل کلاں کو تمہارے شوہر کو کسی نے بہکایا کہ تم اس کی دولت یہاں بھرتی ہو تو ہم حلف تو اٹھا سکتے ہیں۔" اماں ہمیشہ دور کی سوچتی تھیں۔ خودداری، انا و عزت کو وہ زندگی سے بڑھ کر عزیز رکھتی تھیں۔ ان کی دور اندیشی و خودداری نے اسے ایک بوجھ تلے مزید دبا دیا تھا۔

سویرا کے سسرال میں ان کا گرم جوشی سے استقبال کیا گیا تھا۔ عادل کے گھر میں جوائنٹ فیملی سسٹم تھا۔ اس کے چچا تایا کی فیملیز سے گھر بھرا پرا رہتا تھا۔ وہ بہت کم یہاں آتی تھی مگر ہر بار بے حد عزت افزائی و پذیرائی ان کی کی جاتی تھی جس کی وجہ سویرا کا حسن سلوک تھا۔ بیٹیوں کی اگر بہترین تربیت کی جائے وہ سسرال میں سرد و گرم برداشت کرکے اپنے اعلیٰ اخلاق و خوش مزاجی، خدمت گزاری و تابعداری کا مظاہرہ کرکے ہمیشہ کے لیے سسرال کا دل و محبت جیت لیتی ہیں۔ بہوئیں اگر پسندیدہ و عزیز ہوں تو ان کے میکے کے افراد کی اسی طرح آؤ بھگت کی جاتی ہے۔ ان سے محبت و اخلاق اپنائیت سے ملا جاتا ہے۔ جس طرح ان سے سب ملتے تھے کہ غیریت کا فرق مٹ جاتا تھا۔ سویرا کے چہرے پر ماں بن کر خوب صورت و لازوال رنگ دمک اٹھے تھے۔ اس کا بیٹا بھی بہت پیارا تھا۔ بے بی پنک کلر سوٹ میں اس کا سرخ و سپید چہرہ فرشتوں کی طرح معصوم و پھولوں کی طرح شگفتہ اور کیوٹ لگ رہا تھا۔ اس نے بے اختیار اسے بھینچ بھینچ کر چوما تھا۔ سویرا بہت خوش تھی۔ اس سے خوب باتیں کررہی تھی۔ عادل اسپتال سے لوٹا تو وہ بھی پرتپاک انداز میں ملا۔ ان سب کے بے حد اصرار پر ان کو رات کو کھانے پر رکنا پڑا تھا۔ واپسی میں دس بج گئے تھے۔ گھر پر ڈرائیور کو اپنا منتظر پایا تھا۔

"بیگم صاحبہ! صاحب نے آپ کو بلوایا ہے۔" اسے دیکھتے ہی وہ مودبانہ انداز میں گویا ہوا۔

"وہ اسلام آباد نہیں گئے؟" اتنی جلد واپسی کی اس نے سوچی بھی نہ تھی۔

"نہیں جی۔" اس نے مختصر جواب دیا۔ اماں بابا سے اجازت لے کر وہ کار میں روانہ ہوگئی۔ سارا راستہ عجیب سی الجھن و اضطراب کا وہ شکار رہی تھی۔ دل نہ سمجھ آنے والی وحشت کے گرداب پھنسا رہا۔ کار پورچ میں رکتے ہی وہ خود ہی گیٹ کھول کر کار سے نکل گئی تھی اور تیزی سے اندر کی جانب بڑھ گئی۔ ہر سو مخصوص ویرانی و سناٹے اور خاموشی کا راج تھا جو اسے آج پہلے سے بڑھ کر وحشت ناک محسوس ہو رہا تھا۔

"شاداں! تمہارے صاحب کہاں ہیں؟" وہ اوپر اسے موجود نہ پاکر کچن کی صفائی کرتی شاداں سے مخاطب ہوئی۔

"آپ آگئیں بیگم صاحبہ؟ صاحب کی کار کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے وہ۔۔۔"

"کیا؟" وہ وحشت سے چیخ اٹھی تھی۔

"آپ پریشان نہ ہوں جی! صاحب خیریت سے ہیں۔" وہ اس کی متوحش حالت دیکھ کر تیزی سے بولی۔

"کہاں ہیں؟ کب ہوا؟ زیادہ چوٹیں تو نہیں آئیں؟" وہ سخت پریشان و حواس باختہ ہورہی تھی۔ آنسو بے اختیار چہرے کو بھگوتے گردن میں پڑے دوپٹے میں جذب ہورہے تھے۔

"وہ اسپتال میں ہیں۔ ان کے دوست نے اطلاع دی تھی شام کے وقت۔ میں نے جب ہی نور محمد کو آپ کو لینے کے واسطے بھیج دیا تھا۔ اسے میں نے سختی سے منع کردیا تھا کہ آپ کو نہ بتائے وہاں بھی سب پریشان ہوجائیں گے اس لیے۔" شاداں نے دانش مندی کا مظاہرہ کیا تھا۔ وہ اسی نور محمد کے ساتھ اسپتال روانہ ہوگئی۔ شاداں اور چوکی دار کو گھر کا خیال رکھنے کا

کہہ کر پرائیویٹ اسپتال کے پرائیویٹ روم میں بیڈ پر بے سدھ پڑا تھا۔ پیشانی پر ڈریسنگ تھی۔ دائیں ٹانگ پلاسٹر میں جکڑی ہوئی تھی۔ بائیں ہاتھ میں معمولی سی ڈریسنگ تھی۔ چہرہ زرد تھا۔ دائیں بازو میں ڈرپ لگی ہوئی تھی۔ وہ قریب رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔ بے قراری سے اس کی زرد صورت دیکھ رہی تھی۔ لاتعلقی و سرد مہری سے پیش آنے والے شخص کے چہرے پر اس وقت از حد بے چارگی و تکلیف کے آثار تھے۔ جنہیں وہ محسوس کرکے مزید اشکبار ہورہی تھی۔ لمحے بھر میں تمام ناراضگی و شکایات تحلیل ہوگئی تھیں۔

"ہیلو۔ آپ کون ہیں؟ نرس نے مجھے انفارم کیا کہ اسود کا شوفر کسی خاتون کو ڈراپ کرکے گیا ہے اور وہ خاتون زار و قطار رو رہی ہیں۔ میں حیران ہوں آپ کو میں نہیں جانتا حالاں کہ اسود کا میں بیسٹ فرینڈ ہوں اور بخوبی جانتا ہوں کہ نیپ آپی شارجہ میں مقیم ہیں اور اسود بیرون بھائی کی یاد میں تنہا زندگی گزار رہا ہے۔" وہائٹ اوور آل میں ملبوس ڈاکٹر اندر داخل ہوکر حیرانگی سے مخاطب تھا۔ اس کی متجسس نگاہیں بہت گہرائی سے اس کے آنسوؤں سے تر چہرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔

"اسود ٹھیک تو ہیں نا؟ چوٹیں گہری تو نہیں ہیں؟" وہ پریشانی و حواس باختگی میں اس کی حیرانگی و تجسس نظر انداز کر بیٹھی تھی۔

"جی۔۔۔ یہ خطرے سے باہر ہے۔ چوٹیں خطرناک نہیں ہیں۔ پیشانی اور بازو پر معمولی چوٹیں ہیں۔ ٹانگ میں گہری چوٹ ہے۔ اس زخم کو درست ہونے میں کچھ عرصہ لگے گا ویسے یہ بالکل ٹھیک ہے۔ ابھی میں نے نیند کا انجکشن لگا رکھا ہے اس لیے یہ سو رہا ہے۔" وہ اسود سے خاصا بے تکلف لگ رہا تھا۔ اس کے لہجے میں سچائی تھی یا اسے تسلی دینے کا ہنر آتا تھا۔ اس کی غیر معمولی دھڑکنیں اعتدال پر آگئی تھیں۔ اندیشوں و واہموں کی زد پر پتے کی طرح لرزتا دل پرسکون ہوا تو وہ گویا اس ساعت اردگرد سے باخبر ہوئی تھی اور خفیف ہوکر فوراً کاٹن کے جامنی سیاہ بارڈر والے دوپٹے کو سر پر ڈالا تھا۔

"مجھے ڈاکٹر باقر کہتے ہیں۔ اسود کا بہترین دوست ہوں۔ پچھلے ماہ لندن سے آیا ہوں۔" وہ اسود کے بائیں طرف رکھے کوچ پر بیٹھتے ہوئے اپنا تعارف کروا رہا تھا۔

"آپ سے اسود کا کیا رشتہ ہے؟" وہ شخص از حد بلند باز و بہترین فطرت کا مالک لگ رہا تھا۔

"میں اسود کی مسز ہوں۔" اس نے گردن جھکا کر کہا۔

"اوہ و رئیلی؟ کنگریچولیشن۔ اسود نے بھی زندگی سے سمجھوتہ کیا۔" اس کے انکشاف پر وہ بے حد حیرت میں غوطہ زن رہنے کے کئی لمحوں بعد خود کو سنبھال کر گویا ہوا۔

"مس شمی! آپ ہماری بھابی صاحبہ ہیں آپ کے لیے بہترین سی چائے بھجوائیے۔" وہ وہاں موجود نرس سے مخاطب ہوا۔ اس کے انکار کے باوجود اس نے چائے منگوائی تھی۔

"آپ بے فکر ہوکر سوئیں بھابی! میں یہیں ہوں۔ اسود صبح ہی اٹھے گا اگر آپ کچھ محسوس کریں تو یہ بیل پش کردیجئے گا میں آکر چیک کرلوں گا۔ نرس چارٹ کے مطابق ڈرپ اور انجکشن لگاتی رہے گی آپ بالکل ایزی ہوجائیں کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔" وہ ایک بار پھر اسے تسلی و دلاسہ دے کر چلا گیا تھا۔ ساری رات اسے نیند نہیں آئی۔ وہ نماز پڑھتی اور دعائیں مانگتی رہی۔ دوسرے دن بھی اسود مکمل ہوش میں نہیں آیا تھا۔ وہ سوتی جاگتی کیفیت میں رہا تھا۔ اس کی کیفیت دیکھ کر اسے سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ اس کے زخم اتنے معمولی نہ تھے جتنا شاید اسے پریشانی سے بچانے کے لیے بتائے گئے تھے۔

پورا ایک ہفتہ اسی طرح گزرا تھا۔ ڈاکٹر باقر اور ان کے ساتھیوں کی بہترین کیئر کے باوجود وہ اسود کی طرف سے از حد متفکر و پریشان تھی۔ وہ نرسوں کی موجودگی کے باوجود اس کا مکمل خیال رکھتی تھی۔ ایک ہفتے میں وہ مضمحل و پژمردہ ہوکر رہ گئی تھی۔ اپنی تنہائی و پریشانی

For more visit (exponovels.com)

میں اسے کئی بار خیال آیا کہ گھر اس حادثے کی اطلاع نور محمد کے ذریعے بھجوادے کہ ایسے موقعوں پر اپنوں سے بڑی ہمت و دلاسہ رہتی ہے۔ مگر پھر یہ سوچ کر رہ گئی کہ اسود کسی سے ملنا پسند نہیں کرتے، اس طرح کسی کو ان کے ایکسیڈنٹ کی اطلاع دینے پر انہیں اعتراض ہوگا۔

"آج اس کی طبیعت بہتر تھی۔ وہ مکمل ہوش میں تھا۔ بیڈ پر تکیوں کے سہارے نیم دراز وہ باقر کی ہلکی پھلکی باتیں سن رہا تھا جو وہ شادی پر نہ بلانے پر ناراضی کا اظہار کر رہا تھا۔ اریبہ جو عصر کی نماز باہر گیلری میں پڑھ کر آرہی تھی دروازے پر ہی رک گئی۔

"تمہارا گلہ بجا، تمہاری ناراضگی بے جا ہے باقر! میں نے شادی کی تھی تمہیں ایک ماہ قبل ہی بلوا لیا تھا تم نے جتنا ہنگامہ میری شادی پر کیا تھا اتنا ہنگامہ شاید اپنی شادی پر بھی نہ کر سکے ہو گے۔" اس کی گھمبیر یادوں سے شکستہ آواز ابھری تھی۔

"ہاں یہ سچ ہے تمہاری شادی کی ہر رسم تمام دوستوں کے لیے خوب صورت یادیں ہیں۔ مگر میں اس شادی کی بات کر رہا ہوں جو تم نے اریبہ بھابی سے کی۔" وہ اس کے چہرے پر پھیلا حزن و ملال دیکھ کر تیزی سے گویا ہوا۔

"شادی یا تم جو میرے اور یسریٰ کے تمام افیئر سے واقف ہونے کے باوجود کہہ رہے ہو۔ میں شادی کر کے کسی دوسری عورت کو اس کی جگہ دے سکتا ہوں؟" اس کا لہجہ اس کا انداز شرمندگی و تضحیک کے احساس سے سن ہوگئی۔

"کیا مطلب؟ وہ تمہارے ساتھ بغیر نکاح کے رہ رہی ہیں؟"

"نہیں۔ ہماری شادی ہوئی ہے۔ آپی نے یسریٰ کی قسم دے کر مجھے مجبور کیا۔ یسریٰ کی خاطر مجھے آپی کی خواہش کا احترام کرنا پڑا لیکن وہ کبھی وہ مقام نہ پا سکے گی جو یسریٰ کا میرے دل میں ہے۔ وہ صرف ایک ملازمہ کی حیثیت سے میرے گھر میں آئی ہے۔ میرے نام کی مہر نے اسے لوگوں کی نگاہوں میں معتبر بنا ڈالا ہے۔ میرے لیے وہ ایک ملازمہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ نہ کو گھر کی اور گھر کے سامان کی فکر کرتی ہے تو وہ یہ کام بخوبی نبھا رہی ہے۔"

"مجھے افسوس ہو رہا ہے تمہارا گھٹیا سوچ پر۔ تمہاری بے التفاتی و بے اعتنائیوں کے باوجود تمہارے لیے کس قدر پریشان و فکر مند رہی ہیں۔ اتنے دنوں تک وہ نہ سکون سے سوئی ہیں اور نہ کھایا پیا ہے۔ اطمینان سے تمہاری خدمت کی ہے۔ ان دعاؤں اور وظیفوں سے ہی تم اس قابل ہوئے ہو۔ تم بھی کو فراموش کر دو مت ظلم کرو ان کے ساتھ۔ وہ شریف باوفا ہیں جو تمہاری از حد سنگ دلی و بے مروتی کے باوجود خوش مزاجی سے ساتھ نبھا رہی ہیں۔ ان کی جگہ کوئی دوسری لڑکی ہوتی تو ٹھوکر مار کر جا چکی ہوتی۔" باقر جو اس کی تیمارداری و پروقار کردار، سنجیدگی و متانت سے بہت متاثر ہوا تھا۔ اس کے خیالات نے اسے بے حد رنج پہنچایا تھا۔

"وہ مڈل کلاس سے تعلق رکھتی ہے۔ اس طبقے کی لڑکیاں بہت قوت ارادی کی مالک ہوتی ہیں اور قدرے احمق و بے وقوف بھی، جو پتھر کو موم بنانے کی ہر وقت کوشاں رہتی ہیں۔ آپی نے یہی سوچ کر اریبہ کا انتخاب کیا تھا۔ اگر ہماری سوسائٹی کی لڑکی ہوتی تو ایک دن بھی نہ گزارتی۔" اس کے انداز میں تمسخر تھا۔ اس کی محدود و گھٹیا سوچ سے اسے صدمہ پہنچا تھا۔ باقر کے سامنے اپنا آپ بے حد حقیر و بے وقعت لگا تھا۔ اس کی رات و دن کی خدمت گزاری و پریشانی کا یہ صلہ ملا تھا؟ اس کے گھر میں مقام بہو کا نہیں کنیز کا تھا۔ وہ وہاں کی مالکن نہیں ملازمہ تھی۔ وہ دبے قدموں واپس پلٹ گئی اور باہر لان میں تنہا گوشے میں بیٹھ کر اندر لگی آگ کو آنسوؤں سے سرد کرنے لگی۔

"بھابی! اسے سہارے کے بغیر بیڈ سے نہیں اٹھنے دیجیے گا، یہ خاصا بے چین سا آدمی ہے۔ آپ کو اس کا خیال رکھنا ہے مکمل۔ میڈیسن پابندی سے دینی ہیں۔" آج دسویں دن وہ ڈسچارج ہو رہا تھا۔ پیشانی کا زخم ٹھیک ہوا تھا۔ بازو اور ٹانگ کے زخم ہنوز تھے۔ باقر

نے سہارا دیا تھا وہ بغور اس کی ہدایتیں سن رہی تھی۔ اسپتال سے ڈسچارج ہونے کی باعث وہ خاصا خوش لگ رہا تھا۔ اس کے سرخی مائل سیاہ گھنی مونچھوں تلے لبوں پر سردیوں کی نرم و چمکیلی دھوپ کی سی مسکراہٹ تھی۔

"میں بار بار تاکید کر رہا ہوں اگر سلامتی عزیز ہے تو بغیر سہارے کے حرکت مت کرنا۔ میں آتا رہوں گا چیک اپ کرنے۔" وہ اسود سے مخاطب ہوا۔

"اوکے گاڈ فادر! گڈ لک! اب اپنی منحوس صورت مت دکھانا۔ میں ان دس دنوں میں دس ہزار بار تمہاری صورت دیکھ دیکھ کر اکتا چکا ہوں مزید دیکھنے کی گنجائش نہیں ہے۔"

اسود اس بے ساختگی سے بول اٹھا تھا کہ باقر قہقہہ لگانے لگا۔ اریبہ کو حیرت ہوئی تھی کہ وہ بھی شوخ انداز میں گفتگو کر سکتا ہے۔

گھر روانگی سے قبل اسود کے دوسرا پلاسٹر باندھا گیا تھا۔ شاید اس کی ٹانگ میں تکلیف ہو رہی تھی۔ وہ نور محمد کو کار میں بیٹھنے کا کہہ کر لان میں لگے سنگی بینچ پر بیٹھ گیا تھا اریبہ کو بھی مجبوراً آکر بیٹھنا پڑا تھا۔ وہ وہ اس سے بے خبر تھی جو اس کا مسلسل جائزہ لے رہی تھیں۔

"آداب!" اسٹون واش جینز اور بلیک شرٹ اور بلیک شوز میں اسے اچانک سامنے دیکھ کر وہ چونک اٹھی۔

"شاید آپ نے مجھے پہچانا نہیں ہے؟ تعارف۔۔۔"

"نہیں۔۔۔ ایسی بات نہیں ہے۔ آپ اسفند ہیں۔" وہ اس کی بات قطع کر کے گویا ہوئی۔

"تھینک گاڈ! ورنہ میں تو سمجھا تھا آپ نے پہچاننے سے بھی انکار کر دینا ہے۔" اس کے چہرے پر مسرت و رنج کی ملی جلی کیفیت تھی۔ اس کی نگاہیں صحرا میں بھٹکے مسافر کی طرح اس کے چہرے و سراپا کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں تڑپ و کسک کی وہ زیر رقم تھی جو اسود نے لمحے بھر میں پڑھ ڈالی تھی۔ بھلا ایک مرد دوسرے مرد کی عشق کی پیاس و نامرادی کی تڑپ و محبوب کی دوری کی تڑپ کو کیسے نہ پہچانتا۔

"اسفند صاحب! یہ اسود عماد ہیں۔ میرے شوہر۔" یہ معلوم ہونے کے باوجود کہ وہ خود ہی نظر انداز کر بیٹھا تھا اس نے گھبرا کر تعارف کروایا تھا۔

"نائس ٹو میٹ یو مسٹر اسود عماد صاحب!" اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے اس نے بغور اسود کا جائزہ لیا تھا۔ اسود بھی پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھا۔

"اسفند یار خان ہیں ہمارے پاس اریبہ کے پڑوس میں آئے تھے۔" وہ اسفند کی آواز اور اسود کے بولنے سے پہلے ہی بول پڑی تھی۔ "پرانی شناسائی ہے۔" اس کے بدلے انداز میں پنہاں کٹ اس نے محسوس کی تھی۔

"بہت خوش نصیب ہیں آپ اریبہ جیسی شریک حیات نصیب ہوئی اور لوگوں کو تمنا ہی رہتی ہے۔" اس کی نگاہیں بے اختیاری انداز میں اس کے بوکھلائے چہرے پر بھٹکنے لگی تھیں۔ وہ کوئی بے وقوف یا باز شخص نہیں تھا۔ ایک عرصے وہ اس کی محبت سے لگائے ہی رہا تھا۔ اور جب اسے بیٹھ کے لیے بتانے کے ارادے سے ہی کوئے گیا تو معلوم ہوا اس سوداگر کی طرح تھا جو خوابوں، خیالوں میں گن ہو کر اپنی متاع مال کم کر بیٹھتے ہیں۔ مگر آخر زندگی میں وہ پہلی بار رویا تھا۔ یک طرفہ محبت کی سوغات آنسو ہی ہیں۔ اسے کھو کر اسے احساس ہوا کہ وہ ماسٹر صاحب سے اپنی خواہش کا اظہار کر کے جاتا تاکہ وہ پابند ہو جاتے۔ بغیر بھلا کسی وجہ کی وہ بیٹی کو کس طرح گھر بٹھا سکتے تھے۔ آج ایک عرصے بعد اسے دیکھا تو وہ خود پر از حد کوشش کے باوجود قابو نہ رکھ سکا۔

"ڈرائیور کو بلائیں۔" اس نے خشک لہجے میں اریبہ سے کہا۔ اسفند یار کی ستائش کو یکسر اس نے اگنور کر دیا تھا۔ اسفند یار کی بے تاب بے قرار نگاہوں کے غیر محتاط انداز اور لہجے سے برستی حسرت و یاس نے اس کے اندر کے سوئے مرد کو بیدار کر ڈالا تھا۔ وہ ڈرائیور کے سہارے چلتا ہوا کار میں بیٹھ گیا تھا۔ اسفند یار کار

For more visit (exponovels.com)

تک آیا تھا۔ اس کی نگاہیں اس کے ذہن میں کھب کر رہ گئی تھیں۔

پھر آکر اس کا چڑچڑاپن اور غصے کی حس مزید بڑھ گئی تھی۔ ایک لمحے وہ اسے سکون سے بیٹھنے نہ دیتا تھا۔ وہ اس کی بیماری کے باعث خاموشی سے سب کچھ برداشت کررہی تھی۔

"اتنی دیر سے آئی ہو۔ جانتی ہو اس وقت میں مکمل طور پر تمہارا محتاج ہوگیا ہوں اس لیے میری مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھارہی ہو؟" وہ اس کی فرمائش پر چکن سوپ تیار کرکے لائی تو وہ اسے دیکھتے ہی دھاڑا تھا۔

"میں نے اتنی دیر تو نہیں لگائی' فاٹافٹ تیار کیا ہے۔" اس کے بگڑے تیور اور پر آتش مزاج سے وہ ہراساں رہنے لگی تھی۔ وہ کبھی اس کی طرف نگاہ اٹھاکر دیکھتا نہیں تھا۔ لیکن اسفندیار خان سے ملاقات کے بعد اس کے انداز بدل گئے تھے۔ اس کی بے نیازی و بے پروائی غیر محسوس انداز میں ختم ہوتی جارہی تھی۔ ان دنوں وہ دن رات اس کے سامنے رہی تھی۔ ہر وقت وہ اس کو نگاہوں کے حصار میں رکھنے لگا تھا۔ اس کی ایک ایک حرکت پر اس کی گہری و تنقیدی نگاہ ہوتی تھی جیسے وہ کچھ بھید پانا چاہتا ہو۔ کوئی چوری پکڑنا چاہتا ہوں۔ عجیب مشکوک و نا سمجھ آنے والے اس کے انداز ہوگئے تھے۔

"پانی پلاؤ' پیاس کے مارے حلق میں کانٹے پڑگئے ہیں۔" وہ غرایا تھا۔ اس نے پھرتی سے سوپ کا پیالہ اور چمچ چھوٹی ٹیبل پر رکھا اور فریج سے ٹھنڈا پانی گلاس میں بھر کر اس کے نزدیک لے آئی۔

"پلاؤ' شکل کیا دیکھ رہی ہو؟" اس نے شاہانہ انداز میں حکم دیا۔ وہ نزدیک بیٹھ کر پانی پلانے لگی۔ یہ مرحلہ اس کے لیے بہت کٹھن و صبر آزما ہوتا تھا۔ اسود حماد کا دایاں بازو بالکل درست تھا حرکت کرنے کے قابل مگر اسے بچپن سے بایاں ہاتھ استعمال کرنے کی عادت تھی۔ کھانے پینے کے دوران بھی وہ وہی ہاتھ استعمال کرتا تھا۔ جو اب شدید زخمی تھا۔ اس نے کبھی غور نہیں کیا تھا۔ اب معلوم ہوا تو اسے رنج ہوا تھا۔ وہ بچوں کے سے انداز میں اسے کھلاتی تھی۔ اس دوران پہلے پہل اس کی نگاہیں سرسری طور پر اس کی طرف اٹھتی تھیں۔ پھر سرسری انداز میں رنگ بھرنے لگے تھے۔ پھر اس کی نگاہوں میں استحقاق بھری تپش اس کے چہرے کو جھلسانے لگی تھی۔ پھر اس نے محسوس کیا وہ یہی کوشش کرنے لگا کہ اس کی چھوٹی سے چھوٹی ضرورت بھی وہی پوری کرے جس میں اس کی قربت لازمی ہوتی تھی۔

"کہاں جارہی ہو؟ سوپ کون پلائے گا؟" وہ پانی پلاکر اٹھنے لگی تو اس نے ہاتھ بڑھا کر بازو پکڑ کر کھینچ لیا تھا۔ وہ اپنے دھیان میں اٹھی تھی اس کے بے اختیار کھینچنے پر سیدھی اس کے سینے پر گری تھی۔ اس کے ملبوس سے اٹھتی مدہوش کن مہک نے اسے بوکھلا دیا تھا۔

"تمہیں معلوم ہے؟ نہیں۔۔۔ تم کہاں جان پاؤ گی۔" اس نے خود ہی اپنے سوال کی نفی کی۔ دایاں بازو اس کے گرد پر ڈال کر اسے اٹھنے سے معذور کردیا تھا۔ "میری کے سامنے مجھے ایک بار فلو ہوگیا تھا اس نے مجھے لمحے بھر کے لیے تنہا نہ چھوڑا تھا۔"

"مجھے میری سے کمپیئر نہ کیا کریں۔" وہ جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"کیوں۔۔۔؟ تم نے کہا تھا تم اس سے حسد محسوس نہیں کرسکتیں۔" اس کی آنکھوں میں تمسخر لہجے میں کاٹ تھی۔

"سچ کہا تھا میں نے۔۔۔ لیکن آپ میرے ساتھ اس کا موازنہ نہ کیا کریں۔"

"وہی تو دریافت کرنا چاہ رہا ہوں۔ کیوں؟"

"اس لیے کہ وہ آپ کی بیوی تھی۔" اس نے رخ موڑ کر شکستہ انداز میں کہا۔

"پھر۔۔۔ تم کون ہو؟" بیماری کے دوران آپ کا تکلف ختم ہوگیا تھا۔

"ملازمہ' جسے آپ کی بہن گھر اور گھر کے سامان کی دیکھ بھال اور آپ کی خدمت کے لیے لائی ہیں۔"

(باقی "صفحہ ۲۱۱ پر)

For more visit (exponovels.com)

بقیہ: آؤ نئے موسموں کی نوید سنیں

عام ملازموں کے درمیان مجھے یہ اعزاز حاصل ہے کہ آپ کا نام ملا ہے مجھے اور کوئی فرق نہیں ہے۔" اس نے صاف گوئی سے اس کی باتیں دہرادیں۔

"ہوں! تم اس دن میری باتیں سن چکی ہو۔ مجھے افسوس ہے نہ معلوم میں اس دن کیا کچھ کہہ گیا۔ تمہیں تکلیف پہنچی ہے تو میں معذرت خواہ ہوں۔" اس کا بھاری لہجہ ملائم تھا۔

"میں نے آپ سے شکایت نہیں کی' اس لیے میں اپنی حیثیت جانتی ہوں۔"

"سنو! ہمارے درمیان جو کچھ بھی ہوا اسے بھلادو میں زندگی کی طرف لوٹنا چاہتا ہوں۔ یسریٰ کی یاد میرے دل سے نہیں جاتی' اس کی سرگوشیاں' اس کا لمس' اس کی قربت و محبت میرے وجود کو آکٹوپس کی طرح جکڑے ہوئے ہے۔ اب میں اس سے نجات چاہتا ہوں۔ میں سمجھ گیا ہوں' زندہ انسان برزخ میں نہیں رہ سکتا' تمہیں میرا ساتھ دینا ہوگا۔"

وہ اس چٹان کی طرح مضبوط و بلند شخص کو ٹوٹتے' بکھرتے پہلی بار دیکھ رہی تھی۔ اس کے وجیہہ چہرے پر تکلیف دہ سوز تھا اور سرخی بکھر گئی تھی۔ اسے یقین نہ آیا مرحوم بیوی کو دیوانگی کی حد تک چاہنے والا مرد بھلا کس طرح اسے بھلا کر اس کی طرف پلٹ سکتا ہے۔

اس خود غرض و مادہ پرست دور میں جب انسان اپنے سگوں و زندہ عزیزوں کو یاد نہیں رکھتا اس کی مردہ بیوی کے لیے جنون خیز محبت و دیوانگی قابل رشک و ناقابل یقین سی بات تھی۔ اب اس کا ساتھ چاہ رہا تھا۔ نہ معلوم کیوں اسے اس کی خواہش پر یقین نہ تھا۔

"اریبہ! میرا ساتھ دوگی یا مایوس کروگی؟" وہ التجائیہ انداز میں گویا تھا۔

"میں آپ کے ساتھ ہوں اسود!" اس نے سوپ چمچ سے اسے پلاتے ہوئے کہا۔ اس نے اسود کے اس انداز سے اپنے اندر کوئی سرخوشی و امنگ محسوس نہ کی تھی۔

"اریبہ! تم نے کبھی محبت کی ہے؟ آئی من جیسے میں یسریٰ سے کرتا ہوں۔"

رات کو وہ تمام کام سے فارغ ہو کر لیٹی تو اس نے اسے خود سے قریب کرتے ہوئے سرگوشیانہ انداز میں وہ سوال کر ڈالا جو اسفندیار کو دیکھ جو اس کے اندر تہلکہ مچا گیا تھا۔

"نہیں۔۔۔ اگر لڑکی شادی سے پہلے ایسا کوئی جذباتی قدم اٹھالے تو وہ تاحیات پھر بھی باعزت و معتبر نہیں سمجھی جاتی۔" اس کی قربت و سوال نے اسے الجھا دیا تھا۔

"سچ کہہ رہی ہو؟" اس نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"آپ کو یقین نہیں ہے؟" اسے اس کی گرفت میں دم گھٹتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

"اسفندیار کیسا لڑکا ہے؟ اس سے پہلی ملاقات کب ہوئی تھی؟" آخر کار اس نے دھماکا کر ڈالا تھا۔ وہ جو اس کے دل کی کیفیت سے بے خبر تھی نہ جان سکی تھی کہ اسفندیار کی نگاہوں سے عیاں افسانے وہ پڑھ چکا تھا اور اس کی بے خودی و حسرت زدگی نے اس کے اندر کے سوئے ہوئے شوہرانہ حمیت و احساسات کو بیدار کر بیٹھا تھا۔

"وہ بابا کے پاس ٹیوشن پڑھنے آتا تھا۔ اس سے ملاقات کا کیا جواز تھا۔" وہ ہراساں ہو کر بول اٹھی۔

"اچھا۔۔۔! ویسے آپ کے بابا کے کتنے اسٹوڈنٹس تھے؟" اس کا مشکوک انداز ہنوز تھا۔

"مجھے نہیں معلوم؟ لیکن آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

"اس لیے بھئی! تاکہ میں ان سے ملنے کے لیے تیار رہوں۔ آپ کے بابا کے اسٹوڈنٹس کبھی بھی مل سکتے ہیں۔ ایک سے ملاقات ابھی ہوئی ہے۔" اس کا انداز معنی خیز تھا۔

"یعنی آپ میرے کردار پر شک کر رہے ہیں؟" وہ تلملا کر اس کا ہاتھ جھٹک کر بولی۔

"یہ گریز' یہ اجتناب اس حقیقت کا غماز ہے کہ تمہیں میری پروا نہیں ہے۔ میں نے جب بھی یسریٰ کو بھلا کر اس کی یادوں کو اگنور کرکے خود کو زبردستی منا کر

For more visit (exponovels.com)

تمہاری طرف بڑھنا چاہا تو تم نے اسی طرح میرے بڑھتے ہاتھ کو حقارت سے جھٹکا ہے۔ میری پیش قدمی کو تم کبھی خاطر میں نہیں لائیں اور میں تمہارے گریز کو اپنے رویے کا سبب سمجھتا رہا۔ لیکن اب سمجھا کہ تمہارا دل تمہارے پاس تھا کب، تم کسی اور کی ہو چکی تھیں۔"

اس کے ایک ایک لفظ نے اس کے اندر آگ بھڑکا دی تھی۔ اس کی خاموشی، صبر و برداشت کا صلہ تھا یہ؟ وہ بے بنیاد الزامات لگا رہا تھا۔

"اسود! آپ ہوش میں نہیں ہیں۔ کس بنا پر آپ مجھ پر الزامات لگا رہے ہیں؟" غم و غصے، صدمے سے وہ کانپ اٹھی تھی۔

"جو دیکھا ہے وہ بول رہا ہوں۔"

"کیا دیکھا ہے آپ نے؟"

"اسفندیار کی آنکھوں میں تمہارا عکس۔" وہ گویا الفاظ چبا کر گویا ہوا۔

"اسفندیار، وہ بابا کا اسٹوڈنٹ تھا اور بس۔ آپ نے ثابت کر دیا، مرد کسی بھی اسٹینڈرڈ سے تعلق رکھتا ہو، عورت پر آ کر اس کی ذہنیت و سوچ گھٹیا اور محدود ہو جاتی ہے۔ خود وہ کتنی پستی میں گر جائے، پرانی یادوں کو سینے سے لگائے دوسرے کی زندگی جہنم بنا ڈالے رات کی تاریکی میں زندہ بیوی سے چھپ کر مردہ بیوی کی تصویروں سے دل بہلائے، شراب پیئے اور۔۔۔"

"شٹ اپ! تم۔۔۔ تم، مجھے زبان دراز عورتیں کبھی نہیں بھاتیں۔ اگر اس گھر میں رہنا ہے تو اپنی زبان کو لگام دو ورنہ۔۔۔" وہ اس کی بات قطع کر کے دہاڑا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں نہ تھا کہ وہ اس کی سب حرکتوں سے واقف ہے۔ اپنی دانست میں رات کو اس پہر کمرے سے جاتا تھا جب وہ بے خبر سو رہی ہوتی تھی۔

"محسوس ہوا آپ کو۔۔۔؟ سچ کتنا کڑوا اور ناقابل برداشت ہوتا ہے۔ پھر آپ کے بے جا شک نے مجھے کتنی تکلیف پہنچائی ہے۔ اس کا احساس ہوا آپ کو؟"

"میری نگاہیں کبھی دھوکا نہیں کھاتیں۔ بعض عورتیں کتنی دھوکا باز و چالاک ہوتی ہیں مجھے معلوم ہے۔ تم نے محبت اس سے کی اور دولت حاصل کرنے کے لیے شادی مجھ سے رچالی۔ تم ایک دولت پرست اور خود غرض، بے وفا لڑکی ہو۔"

"مجھے افسوس ہو رہا ہے بلکہ دل چاہ رہا ہے اسی وقت خود کو ختم کر ڈالوں۔" وہ اس قدر ہتک پر بری طرح رو دی۔ اس کے یک دم بستر ابدلنے میں اسے ہراساں کیا تھا۔ جس کی وجہ اب سمجھ میں آئی تھی۔ وہ اسے بہلا پھسلا کر اپنی دکھاوے کی محبت کے دام میں پھنسا کر رنگین داستان سننا چاہتا تھا۔ تاکہ بعد میں اسے جواز بنا کر زرد تی گلے میں پڑے اس کے طوق کو تین لفظوں میں توڑ ڈالے اور پھر سر تا پا یسریٰ کی یادوں میں غرق ہو جائے۔ مگر خلاف توقع وہ اس کی چال میں نہ پھنسی تھی۔ اس کا وہی حال ہوا تھا جو کسی شکاری کا شکار کو جال میں نہ پھنستے دیکھ کر ہوتا ہے۔

"چلی جاؤ یہاں سے، میں تمہاری صورت دیکھنا نہیں چاہتا۔" اس نے شدید اشتعال میں بیڈ کارنر پر رکھی تائم پیس اٹھا کر دیوار پر دے ماری۔ پھر پانی سے بھرا جگ، گلاس ٹوٹ کر قالین پر بکھرے تھے۔ اسے جنونی انداز میں دیکھ کر وہ کمرے سے نکل گئی تھی۔

وہ ساری رات اس نے لاؤنج میں روتے ہوئے گزار دی۔

صبح فجر کے بعد اس کی آنکھیں بند ہوئی تھیں۔ پھر بے ہنگم شور پر اس نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولی تھیں۔ اسود کے چیخنے چلانے کی آواز سے پورا ماحول گونج رہا تھا۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ ملازموں سے وہ برائے ضرورت مخاطب ہوتا تھا۔ بہت ملائم و شائستہ انداز میں۔ وہ دوپٹا سلیقے سے اوڑھتی ہوئی باہر لان کی طرف چلی آئی کہ آوازیں وہیں سے آ رہی تھیں۔ لان کے درمیان تمام ملازم سہمے ہوئے کھڑے تھے۔ وہ فرسٹ اسٹیپ پر اسٹک کے سہارے کھڑا شاداں پر برس رہا تھا۔

"کس کے حکم پر ہوا ہے یہ سب؟" وہ ہرے بھرے خوب صورت پھولوں سے مہکتے لان کی طرف اشارہ کر کے پوچھ رہا تھا۔ اس کا انداز بہت خون خوار تھا۔

"صاحب جی! بیگم صاحبہ نے حکم دیا تھا کہ لان میں گھاس اور نئے پودے لگائے کو۔" اس نے خوف سے کانپتے ہوئے پیچھے کھڑی اسریٰ کی طرف اشارہ کیا۔

"تم نے۔۔۔؟ کس کی اجازت سے کروایا یہ سب؟" وہ بھوکے شیر کی مانند اس کی طرف مڑا تھا۔ وہ بے اختیار دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔

"جس دن آپ اسپتال سے آئے تھے اس دن میں نے مالی سے کہا تھا۔ لان بالکل اجاڑ و ویران ہو چکا تھا۔ اس میں لگے پودے و گھاس سب جل گئی تھی اس لیے میں نے۔۔۔"

"تم ہوتی کون ہو؟ یہ سب کروانے والی؟ یہاں یسریٰ نے اپنی پسند سے پھول لگوائے تھے جو تم نے ہٹوا کر اپنی پسند کے لگوا دیے۔ تمہیں جرات کیسے ہوئی؟"

شدید غصے میں وہ یہ بھی فراموش کر بیٹھا تھا کہ تمام ملازمین کے سامنے وہ اس کی بے عزتی کر رہا ہے۔ وہ ہتک و توہین کے احساس سے زمین سے نگاہیں بھی نہ اٹھا پا رہی تھی۔

"نکل جاؤ میرے گھر سے۔ یہ یسریٰ کا گھر ہے اور اس کا رہے گا۔ تمہاری کوئی گنجائش نہیں ہے یہاں بس۔ چلی جاؤ یہاں سے۔" وہ بے تکان بولتا چلا گیا اور تھک ہار کر اپنے کمرے میں غائب ہو گیا۔ وہ ایک عرصے سے اس کی زیادتیاں برداشت کرتی آ رہی تھی لیکن اب اس کی برداشت کی قوت اپنی حد تمام کر چکی تھی۔ رات کو اس نے اس کے کردار کو داغ دار کیا اب ملازموں کے سامنے اس کی عزت مٹی میں ملا دی تھی۔ وہ ناشتا کیے بغیر جانے کے لیے تیار تھی۔ چوکی دار سے اس نے ٹیکسی منگوائی تھی۔ وہ اب اس کے ڈرائیور کا احسان لینا بھی گوارہ نہ کر سکتی تھی۔

"بیگم صاحبہ! صاحب بیمار ہیں اور بیماری بندے کو یونہی چڑچڑا و غصہ ور بنا دیتی ہے۔ آپ غصہ تھوک دیں جی! گھر چھوڑ کر مت جائیں۔ صاحب کا غصہ جلدی اتر جائے گا۔" ملازمہ شاداں اسے جانے سے باز رکھنا چاہ رہی تھی۔ اپنی نرم مزاجی و خوش اخلاقی کے باعث وہ

فیصلہ تیرا

سن لیا ہم نے فیصلہ تیرا
اس کو سن کر اداس ہو بیٹھے
جیسے ہم کائنات کھو بیٹھے
دل سے کتنا ضبط لازم ہے
ہجر کی دھوپ وصل
ہی جائے گی
قسمت اعتراف کیا کرنا
فیصلے کی گھڑی بدلنے تک
ہم چراغاں کریں گے
اشکوں سے
دیکھیں گے تماشا بھی ہوتے ہوئے
اک طرف تو ہے ایک طرف
دل میرا
دل کی مانیں یا بھلائیں تجھ کو
کیسے بھلائیں تجھ کو

ایمان ناز

ملازمین میں بہت پسندیدہ وہ عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی۔

"نہیں شاداں! میں جاؤں گی تمہارا صاحب وہ پتھر ہے جس سے سر تو زخمی ہو سکتا ہے وہ پتھر اپنی جگہ پر اسی طرح اٹل رہتا ہے۔ مجھے مزید اپنا آپ اب ذلیل نہیں کرنا۔ وہ مردہ پرست شخص زندوں کے احساسات مجروح کرتا ہے۔" اس نے جاتے وقت کوئی چیز لینا گوارہ نہیں کی تھی۔ خالی ہاتھ وہاں سے چلی آئی تھی۔

گھر وہ ایک ماہ بعد آئی تھی۔ سب نے از حد مسرت کا اظہار کیا تھا۔ وہ بھی وقتی طور پر اپنا دکھ بھول کر مسرتوں میں ان کا ساتھ دینے لگی۔ بہن بھائی کم عمری و شوخیوں کے باعث اس کی مصنوعی مسکراہٹ و کھوکھلے قہقہوں کی کھنک محسوس نہ کر سکے تھے۔ اماں جو ہمیشہ جان بوجھ کر اس کی ازدواجی زندگی کے بارے میں پوچھنے سے گریز کرتی تھیں کہ بیٹی کے چہرے پر با آسودگی و

For more visit (exponovels.com)

ناامرادی کے رنگ ان کے جاندیدہ و معاملہ فہم نگاہوں سے پوشیدہ نہ تھے۔ ہر دوسرے دن اس کا اپنی مدت کے لیے میکے بیٹھ جانا سب سے وہ واقف تھیں مگر اس کی فلاح کے لیے پہلو تہی برت رہی تھیں کہ بیٹیوں کے بسانے اور اجاڑنے میں زیادہ ہاتھ ماں کا ہی ہوتا ہے۔ لیکن اس بار وہ چونک اٹھی تھیں۔

"سو گئیں بیٹی؟" رات کو جب وہ سب گہری نیند سو گئے تو وہ اس کے پاس چلی آئیں، جو چہرے پر ہاتھ لیٹی ہوئی تھی۔

"نہیں اماں! کوئی کام ہے؟" وہ فوراً اٹھ کر بیٹھتے ہوئے گویا ہوئی۔

"میں یہ پوچھ رہی تھی اگلے ہفتے سویرا بمعہ نمار آرہی ہے۔ رشتے داروں میں دعوتیں کھلوانا شروع کردیں؟" وہ اس کے نزدیک بیٹھ کر گویا ہوئیں۔

"ہاں اماں! ورنہ پھر یہ شکایت ہوگی کہ وقت کے وقت کھلوایا ہے۔"

"اسود میاں کو تمہارے بابا کہہ آئیں گے وہ بھیں تو ہیں؟" وہ اس کے بدلتے رنگ کو بغور دیکھتی ہوئیں اس موضوع کی طرف آئیں جس کے لیے وہ آئیں تھیں۔

"وہ کیا کریں گے یہاں آکر؟" وہ تلخ لہجے میں بولی۔

"یہ کیا بات کی بیٹی! وہ اس گھر کے بڑے داماد ہیں۔ ہمارا رشتہ ہے ان کا۔" وہ سٹپٹا کر گویا ہوئیں۔ ان کا خدشہ درست ثابت ہورہا تھا۔

"رشتہ! ہونہہ اماں! رشتے ہمیشہ اپنے سے نیچے یا برابر کے لوگوں سے جوڑے ہیں۔" اس نے بالوں کو بینڈ میں جکڑتے ہوئے کہا۔

"کیسی باتیں کررہی ہو؟ کوئی بات ہوگئی ہے اسود میاں سے؟"

"کتنی جلد خیال آیا اماں! آپ کو پوچھنے کا۔ شادی کے بعد آپ مجھ سے اس سے غافل و بے پروا ہو گئیں جیسے مجھے دفنا کر فارغ ہوگئی ہوں۔" وہ جو دل میں غبار چھپائے بیٹھی تھی ذرا سی ہمدردی پاکر بے اختیار ہوگئی تھی۔

"ارے اللہ نہ کرے۔ کیسی بدفال منہ سے نکل رہی ہو بیٹی! اللہ تمہاری عمر دراز کرے۔" اماں نے پریشان ہوکر اسے سینے سے لگالیا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کو رونے لگی۔

"اماں! آپ میری پروا نہیں کرتیں، آپ نے کبھی نہیں پوچھا میں خوش ہوں؟ اسود نے مجھے قبول کیا یا نہیں؟"

"پوچھتے وہ ہیں میری بچی! جنہیں معلوم نہیں ہوتا میں تمہارے چہرے سے سب جان لیا کرتی تھی۔ ماں بیٹی کے دکھ و خوشی سب سے خود بخود ہی آشنا ہوجاتی ہے۔" وہ اس کا سر سہلاتے ہوئے آبدیدہ لہجے میں گویا تھیں۔

"اماں! رشتہ ہمیشہ اپنے سے برابر لوگوں میں کرنا چاہیے، بڑے لوگ غریب گھرانوں سے لڑکیاں تو بیاہ کر لے جاتے ہیں لیکن انہیں وہ مقام وہ حق نہیں دیتے جو ان کا حق ہوتا ہے۔ وہ ہمارے سفید پوش گھرانوں سے بہوئیں نہیں ملازمائیں تلاش کرکے لے جاتے ہیں۔ جنہیں تین لفظوں میں جکڑ کر تاحیات بے دام کی غلامی کرواتے ہیں۔" ایک عرصے بعد دل پر لگے زخم دکھانے کا موقع ملا تو وہ سسک اٹھی تھی۔

"بیٹی! نہ۔ تمہاری نند بہت اچھی و پرخلوص طبیعت کی تھی۔ اس کے مزاج میں ذرا بھی تکبر و بڑائی نہ تھی۔ پھر اس نے اس خلوص سے تمہیں مانگا کہ مجھے اور تمہارے بابا کو تمہارے نصیب پر رشک آنے لگا۔ پھر سویرا کی ساس کی ہمراہ ہم اسود سے مل کر آئے تو اس کی سادگی، بردباری و شرافت نے بے حد متاثر کیا۔ وہ محسوس نہیں ہورہا تھا کہ شادی شدہ ہے۔ تمہارے جوڑ کا لگ رہا تھا۔ ہم نے تمہارے اچھے مستقبل کی خاطر اس کا رشتہ قبول کیا تھا اور ہماری کوئی غرض نہیں تھی۔ وہ قصوروار نہ ہوتے ہوئے بھی مجرم بن گئی تھیں۔

"میرا نصیب ہی سیاہ ہے۔ آپ کا کوئی قصور نہیں ہے۔"

"ایسے نہیں کہو بیٹی! کیا کہا ہے اسود نے؟ بتاؤ۔"

"نہیں۔ اب بتانے نہ بتانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا اماں۔ میں نے فیصلہ کرلیا ہے میں اب اس گھر کبھی نہیں جاؤں گی۔" اس کا لہجہ اٹل و بے لچک تھا۔

"کیا۔۔۔؟ ایسے فیصلے اس طرح نہیں کیے جاتے اریبہ!" وہ پریشانی سے گویا ہوئیں۔

"جب برداشت جواب دے جائے، دوسرے فریق کی انتہا پسندی عروج بام پر پہنچ جائے تو ایسے فیصلے باآسانی ہوجاتے ہیں۔ آپ میری فکر مت کریں اماں! میں آپ پر بوجھ نہیں بنوں گی۔ دوبارہ کوچنگ سینٹر جوائن کرلوں گی۔ اگر آپ کو میرا یہاں رہنا منظور نہیں ہوگا تو میں ہاسٹل میں رہ لوں گی مگر اب اپنی انا و خودداری کا سودا نہیں کروں گی۔"

اس کے بچکانے لہجے کا عزم و ہٹ دھرمی اماں کو ہلا گئی تھی۔ وہ ان کی از حد سعادت مند، صابر، کم گو اور ہر بات سر جھکا کر مان جانے والی بیٹی تھی۔ پھر اس پر کیا گزری تھی کہ وہ اس حد تک ضدی و خود سر ہوگئی تھی۔ اپنی بات نہ منوانے کی صورت میں گھر چھوڑ کر ہاسٹل جانے کی دھمکی دے بیٹھی تھی۔ وہ سینہ تھام کر رہ گئیں۔

"اماں! میری ایک التجا ہے آپ سے، جو ہمارے درمیان باتیں ہوئیں، انہیں اپنے تک ہی محدود رکھیے گا، بابا کو بھی شریک نہیں بنائیے گا۔ میں نہیں چاہتی وہ کسی پریشانی میں مبتلا ہوں۔ خصوصاً خالہ حاجرہ کو معلوم نہ ہو ورنہ سارے محلے اور پوری برادری کو اطلاع پہنچ جائے گی۔" وہ دوپٹے سے آنسو صاف کرتی التجائیہ انداز میں بولی۔

"کچھ بتاؤ تو سہی ہوا کیا ہے آخر۔۔۔؟" وہ پژمردہ لہجے میں بولیں۔

"ہر کام کی کوئی وجہ نہیں ہوتی اماں! کچھ کام بلاوجہ بھی ہوجاتے ہیں۔" اس نے انہیں ٹالا تھا۔ بھلا خود کس طرح بتاتی کہ اس نے اس کی ذات کا تار تار کس سفاکی و درندگی سے بکھیرا تھا کہ کردار تک مسخ کر ڈالا تھا۔

"دوری کے موسم میں"

دل کے آتش دان میں شب بھر
کیسے کیسے غم جلتے ہیں
نیند بھرا سناٹا بس دم
بستی کی اک اک گلی میں
کھڑکی کھڑکی تھم جاتا ہے
دیواروں پہ گرد و درد جم جاتا ہے
رستہ تکنے والی آنکھیں
اور قندیلیں بجھ جاتی ہیں
تو اس لمحے
تری یادوں کا ایندھن بن کر
شعلہ شعلہ ہم جلتے ہیں
دوری کے موسم میں جلتے ہیں

ساجدہ عباس اعوان

"شاداں۔۔۔ شاداں!" وہ بری طرح پکار رہا تھا۔

"جی صاحب!" بھاگ کر آنے سے اس کا سانس پھول رہا تھا۔

"یہ کیا بنایا ہے تم نے؟" اس نے ہاتھ میں پکڑے سوپ کے پیالے کی سمت اشارہ کیا۔

"سبزیوں کا سوپ ہے صاحب!"

"لے کر جاؤ اسے یہاں سے۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے بے مزہ پانی ہے۔"

"رات کو کھانے میں کیا بناؤں؟" اس نے سوپ سے بھرا پیالہ اٹھاتے ہوئے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ اریبہ کو یہاں سے گئے ایک ہفتے سے زیادہ ہوگیا تھا۔ اس عرصے میں شاداں نے اپنے صاحب کو بہت پریشان و مضمحل دیکھا تھا۔ اسے کھانے و سوپ بالکل پسند نہیں آرہے تھے۔

"کچھ نہیں۔ نئے کک کا انتظام کرنا پڑے گا بہت بے مزہ کھانے بنانے لگی ہو۔ ایک کپ چائے بنا کر بھیجو۔" وہ ریموٹ سے ٹی وی آن کرتا ہوا گویا ہوا۔

For more visit (exponovels.com)

Page 21

وہ اجھلتے کودتے وجود بھی اس کی بے کلی و تنہائی کو دور نہ کرسکے تو وہ ریموٹ کا بٹن آف کرتا ہوا اسٹک کے سہارے آہستہ آہستہ چلتا ہوا کمرے کی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ نیچے سرسبز و شاداب لان نے اس کی طبیعت پر خوش گوار اثر ڈالا۔ اور اس کی نگاہوں میں اس صبح کا منظر گھوم گیا۔ جب اس نے حسب عادت کھڑکی سے جھانک کر لان کا نظارہ کیا تھا اور اجڑے و ویران لان میں سبزہ و پھولوں کی شوخیاں دیکھ کر اسے چند لمحے یقین نہیں آیا تھا کہ یہ اس کے گھر کا لان ہے جہاں یسریٰ نے اپنی پسند سے پودے لگوائے تھے۔ اپنی خواہش کے مطابق اسے آراستہ کروایا تھا اور جب وہ بہار کے موسم میں ابدی نیند سوئی تو اس کی زندگی میں خزاں نے پڑاؤ ڈال لیے تھے۔ اور اس نے مالی کو منع کردیا کہ وہ ان پودوں کو نہ چھوئے۔ انہیں ویسے ہی لگا رہنے دے۔ بدلتے موسموں نے آہستہ آہستہ سرسبز لان کو ویران و اجاڑ کردیا تھا۔ وہ انہیں ازحد عزیز رکھتا تھا۔ اریبہ کی یہ تبدیلی اسے نہ بھائی تھی اور اسے لگا تھا وہ یسریٰ سے دور ہوتا جارہا ہے۔ غیر محسوس طریقے سے وہ اسے اپنے اندر رسائی کرتا ہوا محسوس کررہا تھا اور قبل اس کے کہ وہ اس پر مکمل قابض ہوتی اس نے بری طرح اسے بے عزت کرکے نکال دیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد اسے احساس ہوا۔ وہ اس کی رگ و پے میں پوری طرح سما چکی ہے۔ اس کے خاموش و بے ضرر وجود کا وہ عادی ہوچکا تھا۔ یسریٰ کی یاد، اس کی جدائی، اس کا غم، بہت خاموشی سے اس کی زندگی سے نکل گئے تھے۔ اس نے بہت شدت سے اپنے اس جذبے کی نفی کرنی چاہی وہ زندگی یسریٰ کی یادوں کے سہارے گزارنا چاہتا تھا لیکن۔۔۔

اسے اپنے عام مرد ہونے پر ملال تھا۔ اس نے خود کو یسریٰ کے نام وقف کرڈالا تھا۔ مگر اپنی فطرت سے شکست کھا گیا۔ ایک زندہ، جوان و خدمت گزار وجود نے یسریٰ کے مردہ وجود پر سبقت لے لی تھی۔ اسے اب احساس ہوا۔ خواب و یادوں کا ہماری زندگی سے گہرا تعلق سہی مگر ان کے سہارے حیات کی کٹھن راہ پر تنہا چلا نہیں جاسکتا، زندہ رہنے کے لیے زندہ سہاروں کی ضرورت پڑتی ہے۔ وہ خوش قسمت تھا۔ دوسری مرتبہ بھی اسے شریک سفر پر خلوص و باوفا ملی تھی۔ جسے اس نے پانے کے باوجود کھونے کی سعی کی تھی۔

”کیا وہ میری خطاؤں کو معاف کردے گی؟ میں نے جو قدم قدم پر اس کی تذلیل و توہین کی ہے۔ وہ سادہ مزاج و پروقار لڑکی، جو بظاہر پھولوں کی طرح نازک، چاند کی طرح شفاف و پرنور وجود رکھتی تھی کس کس طرح میں نے اس کی خودداری و انا کو مجروح کیا۔ اس کے جذبات و احساسات کو کند چھری سے ذبح کیا تھا۔ اور آخر میں ملازموں کی موجودگی میں اسے بالکل ہی تہی دست کرڈالا تھا۔ میں معاف کرے گی مجھے وہ مجھ جیسے کم ظرف و شقی القلب کی سزا یہی ہونی چاہیے۔“ وہ خود سے مخاطب تھا۔ اندر کی وحشت و بے کلی چبھن حد سے سوا ہوگئی تو بے قرار قدموں سے بیڈ کی دراز کی طرف بڑھا۔

✥ —— ✷ —— ✥

اریبہ! بہت دن ہوگئے خالہ حاجرہ گھر نہیں آرہی، چل کر خیریت معلوم کرکے آتے ہیں۔ وہ اکثر شکایت کرتی ہیں گھر نہ آنے کی۔“ سویرا بال بناتی ہوئی اریبہ سے مخاطب ہوئی۔

”تم اماں کو لے کر چلی جاؤ۔ میرا دل نہیں چاہ رہا میں منے کو سنبھال لوں گی۔“

”چلی جاؤ بیٹی، منے کو میں سنبھال لوں گی۔ اچھا ہے ذرا گھر سے قدم نکالو گی، لوگوں سے ملو گی طبیعت بہلے گی۔“ اماں کو اس کا دکھ اندر ہی اندر گھن لگا رہا تھا۔ وہ گیلی لکڑی کی طرح اندر ہی اندر سلگ رہی تھی۔ ان کے بار بار اصرار کے باوجود کچھ نہیں بتاتی تھی۔ سویرا کو بھی اس نے یہی بتایا تھا کہ اسود بزنس کے سلسلے میں چند ماہ کے لیے جاپان گئے ہیں۔ اس کے ایکسیڈنٹ کی خبر اس نے بالکل چھپالی تھی کہ اماں زبردستی اسے وہاں چھوڑ کر آئیں۔

”اسود بھائی کے بغیر طبیعت نہیں بہلتی تو ساتھ چلی جایا کرو، یہاں کیوں اداس بلبل بننے کے لیے رک

جاتی ہو۔“ سویرا اس سے بے تکلف تھی اور منہ پھٹ بھی۔

”کچھ شرم کرو۔ اماں کے سامنے تو زبان قابو میں رکھا کرو۔“ وہ اشارے سے بولی۔

”تو بھئی! اماں سے کیا پردہ؟ جب تک پاپا اسکول سے نہ آجائیں، اماں خود بولاتی بولائی پھرتی ہیں۔ صحن سے دروازے تک۔“ وہ ہنستی ہوئی بولی۔

”بہت منہ پھٹ ہو سویرا!“ اماں کے چہرے پر گلال بکھرتے دیکھ کر وہ بھی بے ساختہ ہنس پڑی تھی۔ سویرا اسے زبردستی خالہ حاجرہ کے لے گئی۔ وہ صحن میں بیٹھی باسی روٹی کے چھوٹے چھوٹے پیس کرکے مرغیوں کو ڈال رہی تھیں۔ ان دونوں سے بہت پرتپاک انداز میں ملیں۔ چاروں بیٹیاں معمولی سی علیک سلیک کے بعد قریب بیٹھ گئیں۔ لڑکیاں ان کی چاروں بڑی عمر کی تھیں۔ خالہ کی بی جمالو ٹائپ شخصیت اور کچھ لڑکیوں کے فیشن ”ہوا کاپن“ و بدمزاجی کے باعث وہ کوئی رشتہ نہ ملنے کے باعث گھر بیٹھی تھیں۔ دونوں بڑے بیٹوں کی شادیاں انہوں نے کی تھیں۔ کچھ عرصہ قبل تیسرے اور چھوٹے بیٹے نے اپنی پسند سے شادی کرلی تھی۔ اب گھر میں محاذ پر اس کی تیز و طرار بیوی سے ماں بیٹیوں کی جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں۔ چھوٹی بہو بہت بہادری و ہمت سے مقابلہ کرتی تھی۔

”تمہارا منا کیسا ہے سویرا! سنا ہے عادل میاں روز بیٹے کو دیکھنے آتے ہیں اور تمہاری ساس اور سسر بھی دوسرے تیسرے دن چکر لگاتے ہیں پوتے کی خاطر۔“ کمرے میں آکر بیٹھتے ہی ان کا پسندیدہ مشغلہ شروع ہوگیا۔

”ہاں خالہ! منے میں جان ہے سب کی۔ کل چلی جاؤں گی۔“ سویرا نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

”ہاں بھئی! بچہ وہ کڑی ہوتا ہے اس رشتے میں جو ماں باپ کے علاوہ دوسرے رشتوں کو بھی آپس میں ایک کردیتا ہے۔“ خلاف معمول وہ تھکی تھکی و پژمردہ نظر آرہی تھیں۔

”کیا ہوا خالہ؟ نہ آپ گھر آرہی ہیں؟ یہاں بھی بیمار لگ رہی ہیں۔“

”وہ تھک گئی بیٹی! عمر کی دہلیز سے رشتہ چھوٹنے پر ہے تو اپنی زندگی بھر کی غلطیاں کوتاہیاں و غفلت یاد

مہکتے پھول

☆مومن کبھی طعنے دینے والا، لعنت کرنے والا، بدگو اور زبان دراز نہیں ہوتا
جب تم نیکی کرکے خوشی اور برائی کرکے پچھتاؤ تو جان لو کہ تم مومن ہو۔
جھوٹی گواہی اتنا بڑا گناہ ہے کہ شرک کے قریب جا پہنچا ہے۔

☆زندگی ایک لمحے کی بھی بہت ہے اگر اسے نیکی میں صرف کیا جائے۔
☆زندگی کو ہمیشہ دور سے دیکھو اور موت کو قریب سے۔
☆زندگی میں ہمیشہ انصاف کرو تاکہ تمہارا ضمیر بھی ملامت نہ کرے۔
☆زندگی بہت چھوٹی ہے اگر مرنے کے بعد کی نگاہ سے دیکھا جائے۔
☆زندگی کی دوڑ میں کچھ پتہ نہیں کوئی کب ہار جائے۔
☆زندگی میں کچھ پانے کی تمنا رکھتے ہو تو والدین کی خدمت کرو۔
☆زندگی ایک ایسا نگینہ ہے جو پلک جھپکتے ہی غائب ہوجاتا ہے۔
زندگی ایک ایسا دیپ ہے جو بغیر ہوا کے بھی بجھ جاتا ہے۔
زندگی گزارنے کے لیے ضروری ہے کہ موت کو یاد رکھو۔

For more visit (exponovels.com)

آرہی ہے۔ آف بابا! سارا وقت لوگوں کی کن سوئیاں لینے میں گزرا۔ ہماری ماں تو بچپن میں گزر گئی تھیں۔ ہمیں چچی نے پالا، وہ سوتیلی ماں سے بھی زیادہ سنگ دل اور ظالم تھی۔ وہ دونوں تائیں، پھوپوں اور دادی کی باتیں مجھ سے پوچھتیں کہ ان کی غیر موجودگی میں کس طرح رہتی ہیں؟ کیا باتیں کرتی ہیں؟ شروع شروع میں مجھے یہ کام کرتے ہوئے ڈر لگا مگر پھر جاسوسی کے نتیجے میں چچی کی مہربانی اور پیٹ بھر روٹی کا ایسا لالچ پیدا ہوا کہ بلا خوف و خطر میں چھوٹی سی بات کو بھی جوڑ توڑ کر کے ان کو بتاتی۔ بدلے میں ان کی عنایتیں بڑھتی گئیں اور میرا مشغلہ پھیلتا گیا۔ گھر بھر کی بہترین جاسوس بن گئی۔ میں سب کے لیے کام کرتی تھی اور کسی کو شبہ تک نہ ہوتا۔ گھر میں کشیدگیاں بڑھتے لڑائی جھگڑوں اور بات سب کے علیحدہ ہونے تک پہنچ گئی جو سب کی منشا تھی۔ چچی نے علیحدہ گھر لینے کے بعد مجھے آنکھ میں گرے بال کی طرح نکال پھینکا تھا۔ دادی کے علاوہ سب کا رویہ چچی کی طرح تھا۔ میں دادی کے پاس رہنے لگی تھی۔ لیکن جو گناہ کا چسکہ مجھے لگ چکا تھا یہ بیماری بہت خطرناک تھی۔ میں پھر محلے کے گھروں میں تاک جھانک کرنے لگی۔ جہاں ایک دوسرے کی ٹوہ میں رہنے والے بھرے پڑے تھے۔ پیٹھ پیچھے وہ مجھے کٹنی، بی جمالو جیسے ناموں سے یاد کرتے مگر مجھے دیکھ کر وہ عزت دیتے، خاطر مدارت کرتے۔ بس میں ان کی محبت و ظاہری چاپلوسی پر سمجھتے ہوئے بھی فدا ہو جاتی اور لوگوں کی جھوٹی محبت و خود غرضی نے دیکھو مجھے کیا دیا؟ گناہ کے بوجھ، چار بوڑھی ہوتی بیٹیوں کے گھر بیٹھے رہنے کا عذاب اور بیٹے ماں کے ہوتے کب ہیں؟ وہ بیویوں کے غلام ہیں۔ بہنیں، ماں انہیں کنیزیں لگتی ہیں جو انہیں پکا کر کھلائیں، بچے سنبھالیں اور ان کی بیویوں کے ناز نخرے اٹھاتی رہیں۔" خالہ حاجرہ زار زار رو رہی تھیں۔ پچھتاوے و دکھ ان کے بوڑھے و بیمار چہرے سے عیاں ہو رہا تھا۔ بیٹیاں ان کی جا چکی تھیں۔

"کہتے ہیں "گناہ میں لذت بہت ہوتی ہے مگر وہ ان کو اوندھے منہ پستی میں گرا دیتا ہے۔ انسان کے ہاتھ پچھتاوے و پشیمانیوں کے اور کچھ نہیں آتا۔ خالہ! آپ اللہ سے توبہ کریں، معافی مانگیں وہ غفور الرحیم ہے ضرور معاف کر دے گا۔ اور انشاء اللہ آپ کو داماد اچھے اور نیک ملیں گے۔" اریبہ نے بہت خلوص سے کہا۔

"ہاں بچی! اب میں نے نماز بھی پابندی سے پڑھنا شروع کر دی ہے۔ اٹھتے، بیٹھتے توبہ کرتی ہوں۔ معافی مانگتی ہوں۔ کاش! مجھے پہلے ہدایت مل جاتی تو میں آج یوں پریشان نہ ہوتی، جو وقت لوگوں کی الٹی سیدھی باتوں میں لگایا اگر وہی وقت اپنے گھر کو سنوارنے اور بیٹیوں، بیٹوں کی تربیت میں لگاتی تو آج میرا گھر تمہاری ماں کے گھر کی طرح جنت کا نمونا ہوتا اور نواسے، نواسیاں میرے آنگن میں کھیل رہے ہوتے۔" وہ ایک بار پھر پچھتاوؤں کی زد میں آ کر آبدیدہ ہو گئیں۔

"انشاء اللہ خالہ! اب بھی ایسا ہی ہو گا۔ جو لوگ اللہ سے مانگتے ہیں وہ کبھی خالی جھولی، خالی آنچل لے کر نہیں لوٹتے۔ اور رب تو کافروں کو بھی نامراد نہیں کرتا۔"

سورا اور اس کے بیٹے کے جانے کے بعد گھر میں سناٹا سا چھا گیا تھا۔ حالانکہ گھر میں سب ہی موجود تھے۔ شاید اس کے بیٹے کے ننھے وجود سے رونقیں پھیلی ہوئی تھیں۔ وہ مغرب کی نماز سے فارغ ہو کر قرآن ترجمے کے ساتھ پڑھنے لگی۔ فروا اور اریبہ باورچی خانے میں رات کے کھانے کی تیاری کر رہی تھیں۔ رمشا، رامیہ اور ندا کو کل اسکول میں ہونے انگلش کی ٹیسٹ کی تیاری کروا رہی تھی۔ شاہ زیب دوست کی طرف گیا ہوا تھا۔ بابا گھر سے باہر کسی کام سے گئے ہوئے تھے۔ اماں تسبیح و وظائف تھامے نہ معلوم کون سے وظیفے میں مستغرق ارد گرد سے بے خبر تھیں۔ اتنے وجود کی موجودگی میں خاموشی تھی۔ وہ قرآن کے ایک ایک حروف کی روشنی و مٹھاس اپنے اندر اتارتی رہی، اندر بھری بے چینی، اضطراب افکار کی تلاوت کی نورانی برسات سے کثافتیں دھلتی جا رہی تھیں۔ اس کے اندر ٹھنڈک سکون و طمانیت پھیلتی جا رہی تھی۔ اس نے قرآن سبز جزدان میں چوم کر لپیٹا، کونے میں لگے اوپر

ایک پر نہایت ادب و احترام سے ایک بار اور بوسہ دے کر رکھ دیا۔

"بجو! کھانا لگاؤں؟ پھر عشاء کی اذان ہو جائے گی۔" فروا نے قریب آ کر پوچھا۔

"بابا اور شاہ زیب کو آنے دو۔ ساتھ کھائیں گے۔" وہ نماز کی چادر تہہ کرتی ہوئی بولی۔

"بابا اپنے دوست کے پوتے کے عقیقے میں گئے ہیں۔ کھانا کھا کر آئیں گے۔ شاہ زیب کو کڑی چاول پسند نہیں ہیں وہ برگر کھا کر آئے گا۔"

"اچھا۔ کھانا لگاؤ میں آتی ہوں۔"

"السلام علیکم!" بالکل غیر متوقع اسے سامنے دیکھ کر اس کا منہ کھلا کا کھلا ہی رہ گیا تھا۔ دسترخوان کے گرد بیٹھیں اماں اور فروا، رقیہ، رامیہ وغیرہ بھی اسی طرح سٹپٹا گئی تھیں۔

"آؤ بیٹا!" اماں کی حیرانگی و استعجاب جلد ہی ختم ہوا تو وہ اٹھ کر شفقت بھرے انداز میں گویا ہوئیں۔ اس نے ہاتھ میں پکڑے فروٹ کے شاپر اماں کے نزدیک رکھ کر سر کو ان کے سامنے ذرا خم کیا تھا۔ اماں نے بڑی اپنائیت و محبت سے ہاتھ پھیرا تھا۔ وہ سب حیرانگی سے دیکھ رہی تھیں۔

"جاپان سے کب آئے بیٹا؟" انہوں نے مصلحتاً اس کے سامنے بے خبری و لاتعلقی برتی تھی۔

"جاپان؟ وہ... سیدھا وہیں سے آ رہا ہوں۔" اس نے تشکر بھری نگاہیں سامنے بیٹھی بے گانہ انداز میں کھانا تناول کرتی اریبہ پر ڈالیں۔ جس نے بہانہ بنا کر اسے پشیمان ہونے سے بچایا تھا ورنہ وہ تو ڈر رہا تھا کہ اس کے گھر والے اسے گھر میں نہیں گھسنے دیں گے۔

"شدید بھوک لگ رہی ہے۔ دو ہفتوں سے میں نے ڈھنگ سے کھانا نہیں کھایا ہے۔ آپ لوگ کیوں مجھ سے چھپ رہی ہیں؟ میں نے ڈسٹرب کر دیا آپ لوگوں کو؟" وہ بہت شوخی سے اپنی سالیوں سے مخاطب ہوا تھا جو بیٹھے بیٹھے ایک دوسری میں چھپنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

For more visit (exponovels.com)

"بیٹا! آپ ہاتھ دھوؤ، میں کھانا لگواتی ہوں۔" نخریلا و امیر داماد لمبی مدت بعد گھر آیا تھا۔ اتفاقاً" فریج میں کوئی ایسی ڈش نہیں رکھی تھی جو گرم کر کے دستر خوان پر رکھ دیں۔ اریبہ کی فرمائش پر کڑی چاول بنائے تھے۔ بازار سے کھانا منگوانے کے لیے وہ پڑوس کے لڑکے کے پاس جانے لگیں۔

"میں بھی آ رہی ہوں بیٹا! آپ اندر کمرے میں بیٹھو۔" انہوں نے چادر اوڑھتے ہوئے کہا۔

"کوئی تکلف نہیں چلے گا جو یہاں موجود ہے میں وہی کھاؤں گا۔" ان کے ہاتھ دبے پیسے دیکھ کر وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ بازار سے کچھ منگوانا چاہ رہی ہیں۔

"بیٹا! آپ بیٹھو ابھی پانچ منٹ میں آ رہی ہوں۔"

"نہیں، آپ آئیں اماں! میں آپ کا بیٹا ہوں۔ آپ تکلف مت کیجیے۔" وہ اماں کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے آیا۔ چاندنی پر بچھے دستر خوان پر ان لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر کڑی چاول کھاتا ہوا سرد مزاج، وہمی و بد دماغ اسود سے بالکل مختلف لگ رہا تھا۔ سالیوں سے ہلکی پھلکی چھیڑ چھاڑ، اماں سے احترام و ادب سے گفتگو کرتا لمحوں میں وہ سب کو اپنا گرویدہ بنا چکا تھا۔ اریبہ اس کے بیٹھتے ہی اٹھ گئی تھی۔ عشاء کی نماز کی تیاری کرتے ہوئے اس نے کن انکھیوں سے دیکھا وہ دائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا۔ انداز خاصا ماہرانہ تھا۔ اس کے اندر کہیں طمانیت اتری تھی۔

وہ نماز سے فارغ ہو کر کتنی دیر تک تسبیح پڑھتی رہی۔ باہر سے بابا کے بولنے کی آواز آ رہی تھی۔ کتنی مسرت و اطمینان تھا ان کی مسکراتی آواز میں۔ بلند مزاج داماد کو اپنے چھوٹے سے آنگن میں دیکھ کر اماں کی طرح وہ بھی بے حد مسرور لگ رہے تھے۔ ان آوازوں میں پھر شاہ زیب کی آواز بھی شوخیاں بکھیرنے لگی۔ وہ حسب عادت لطیفے سنا سنا کر انہیں ہنسا رہا تھا۔

"اسود بھائی پوچھ رہے ہیں آپ نے سو رکعت نفل کی نیت تو نہیں باندھ لی؟" فروا مسکراتی ہوئی اندر آئی۔ اس کا بگڑا موڈ دیکھ کر دبے پاؤں واپس چلی گئی۔

"اریبہ بیٹی! نماز سے فارغ ہو گئی ہو تو جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ اسود میاں کو دیر ہو رہی ہے۔" اماں اس کے نزدیک آ کر گویا ہوئیں۔

"کیسی تیاری؟ میں کہاں جا رہی ہوں اماں؟"

"اپنے گھر بیٹی!"

"اپنے گھر؟ عورت کا کبھی کوئی گھر ہوتا ہے اماں، وہ ساری زندگی کبھی باپ، کبھی شوہر، کبھی بیٹوں کے گھر رہنے کے حوالے سے پہچانی جاتی ہے۔ اس کا اپنا گھر نہیں ہوتا۔" وہ ہر گھر سے جب چاہا دست کار دی جاتی ہے۔" وہ سسک اٹھی تھی۔

"یہ خیال ہے بیٹی! گھر کبھی بھی عورت کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ گھر کی تکمیل، گھر کا دوسرا نام ہی عورت ہے۔ اللہ نے عورت کو معتبر رتبہ دیا ہے، عورت کے بغیر کائنات کی تخلیق ہی نہیں۔۔۔ ظرف بلند کرو۔ معاف کر دینا سب سے بڑی شجاعت و اعلیٰ ظرفی ہے۔ وہ تمہاری طرف خود چل کر آیا ہے۔ اس سے زیادہ تمہاری خوش بختی، اس کی ندامت و شرم ساری کا اظہار ہے۔ تم نے مجھ سے کہا تھا۔ تمہارے معاملے کی خبر میں تمہارے بابا کو بھی شریک نہ کروں۔۔۔ میں نے ایسا ہی کیا تھا۔ آج میں تم سے التجا کرتی ہوں جو ہوا اسے فراموش کر کے لوٹ جاؤ بیٹی! بیٹیاں اپنے گھروں میں آباد اچھی لگتی ہیں۔ اگر صبح کا بھولا شام کو گھر لوٹ آئے تو اسے بھولا نہیں، بھلکڑ کہتے ہیں۔" اسود کے ساتھ اندر داخل ہوتا ہوا شاہ زیب اماں کی بات اچک کر بولا تو اسود کا دھیما سا قہقہہ وہاں گونج اٹھا۔

"گھر چلو میں تمہیں لینے آیا ہوں۔ تم یونہی چلی آئی تھیں؟ اپنا پرس تک لے کر نہیں آئیں اور نہ ڈرائیور کے ساتھ آئی تھیں۔" وہ اس کے قریب کھڑا آہستگی سے پوچھ رہا تھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ اماں دانستہ انہیں تنہائی کا موقع دے کر گئی تھیں۔

"جس گھر پر میرا حق نہیں ہے وہاں جا کر میں کیا کروں گی؟ جہاں فریم کے ٹوٹے ٹکڑے احتیاط سے رکھے جاتے ہوں مگر دل کی کرچیوں کو قدموں تلے روندا جاتا ہو۔"

"میں شرمندہ ہوں۔ جذباتیت میں دیوانگی کی حد

For more visit (exponovels.com)

سے باہر نکل گیا تھا۔ پلیز۔! جو ہوا اسے در گزر کر کے میرے ساتھ چلو۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر التجائیہ لہجے میں گویا ہوا۔ وہ عورت تھی جو موم کا وجود رکھتی ہے اور مرد کی گرم نگاہ سے پگھل جانا اس کا شعار ہے۔ حالات کی ڈوبتی، ابھرتی کشتی میں سوار ہمیشہ ساحل مراد کے انتظار میں مگن رہنا جس کا مشغلہ حیات ہے وہ بے شمار دعاؤں کے حصار میں اس کے سنگ چلی آئی تھی۔

لاؤنج میں قدم رکھتے ہی اس کی ہمراہی میں وہ ٹھٹک کر رک گئی تھی۔ لاؤنج نئے سرے سے ڈیکوریٹڈ کیا گیا۔ پردے، فرنیچر، قالین، پینٹنگز سب نئے اور خوب صورت تھے۔ سب سے زیادہ اسے جس تبدیلی نے چونکایا تھا وہ اس کی اور اسود کی شادی کی فل سائز پورٹریٹ تھی جو سامنے دیوار پر درمیان میں آویزاں تھی۔ یسریٰ کی تمام تصاویر غائب تھیں۔ اس نے استفہامیہ نگاہوں سے ساتھ کھڑے اسود کو دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"یہ راستہ میں نے بہت کٹھن طریقے سے عبور کیا ہے اریبہ! مجھے تمہارے پیار، اعتماد اور محبت کی ضرورت ہے۔" وہ بانہوں میں لیے اس بیڈ روم میں چلا آیا جو کبھی اس کا اور یسریٰ کا رہا تھا۔ اب وہاں کی اس اسود کی تصویریں تھیں۔ یسریٰ کی قد آور تصاویر جو اس نے ایک دفعہ دیکھیں تھیں ان کا نام و نشان نہ تھا۔

اریبہ کے اندر نئی زندگی کا احساس بے دار ہونے لگا۔

"میں ایک تہی دامن اور ٹوٹا ہوا شخص ہوں۔ میرا دل پہلے ہی کسی کی محبتوں سے لبریز اور جدائی سے چور چور ہے۔" اس نے اس کے شانے پر سر رکھتے ہوئے دل گرفتہ و پر سوز انداز میں اپنی بات جاری رکھی۔

مجھے تمہیں وہ محبت دینے میں وقت لگے گا جس کی تم حق دار ہو۔ لیکن زندگی کے دوسروں معاملوں میں تمہاری حق تلفی نہیں کروں گا۔ تمہاری محبت، تمہارا خلوص، تمہاری رفاقت، مجھے یقین ہے جلد ہی ماضی سے رشتہ ختم کرا دے گی۔" وہ اس لمحے بہت بکھرا ہوا ٹوٹا ہوا غم زدہ لگ رہا تھا۔ وہ راہ صاف کر کے اس کی طرف بڑھا تھا۔ اس کے دل سے غصے و بد گمانی کی گرد صاف ہونے میں لمحے لگے تھے۔

"انشاء اللہ اسود! آپ مجھے ہر راہ پر ہم قدم پائیں گے۔ آپ کے اعتماد و یقین کو کبھی ٹھیس نہیں لگے گی اور آپ جب چاہیں ماضی کی باتیں مجھ سے کر سکتے ہیں۔" اس نے اس کے مضبوط ہاتھ پر اپنا نازک ہاتھ رکھتے ہوئے خلوص و سچائی سے کہا۔

اور آپ کو مجھ سے ایک وعدہ کرنا ہو گا۔"

"وعدہ؟ کیسا۔؟" اس نے چونک کر استفسار کیا۔

"آپ! اب کبھی ان کمزور اور مکروہ چیزوں کا سہارا نہیں لیں گے۔" اس نے ریک میں سجی رنگ برنگی کانچ کی بوتلوں کی طرف اشارہ کیا تو وہ بے ساختہ مسکرا اٹھا۔

"یسریٰ کی جدائی، اس کی یادوں نے مجھے ان سہاروں کا عادی بنایا تھا۔ اب تمہاری محبت، تمہاری رفاقت مجھے ان سہاروں سے چھڑائے گی۔" اس نے پر یقین لہجے میں کہا۔

"مجھے یقین ہے وہ وقت جلد آئے گا۔" اریبہ نے اس کے سینے پر سر رکھتے ہوئے آہستگی سے کہا۔ اس کی آنکھوں میں یقین کی روشنی تھی، چہرے پر سچائی کے رنگ دمک اٹھے تھے۔ اسود نے متاع حیات کی طرح اسے بازوؤں میں سمیٹ لیا تھا۔

ھنڈی فیملی میگزین
مہکتا آنچل
اب ۵۰ صفحات کے اضافے
کیساتھ ۔ زیادہ دلکش
ستمبر ۲۰۰۰ کا شمارہ قیمت ۱۶/-

For more visit (exponovels.com)